دل کا درد غزل ہوا



''امپاسبل، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ ابھی بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے حق دق سی اپنی ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اس میں اتنی حیرانی والی بات تو نہیں۔'' اس کا انتہائی رد عمل انہیں بھی جز بز کر گیا۔

''آپ کے نزدیک نہیں ہوگی مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا۔'' اس کا لہجہ واقعی بے یقین سا تھا۔

''اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' وہ اب جیسے اسے قائل کرنا چاہ رہی تھیں۔

''واقعی حرج والی بات نہیں، کیونکہ ''حرج'' تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔'' اس کی حیرت کچھ کم ہوئی تو شدید قسم کے غصے نے اسے آن گھیرا۔

''ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں بیٹا! والدین ہیں تمہارے اور کبھی تمہارے لئے غلط نہیں سوچ سکتے۔ بلکہ کوئی بھی ماں، باپ اپنی اولاد کا برا نہیں سوچ سکتا۔ تم جذباتی مت بنو ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔'' انہوں نے بہت رسان سے اسے سمجھایا۔

''ٹھنڈا دماغ......'' یہ دو الفاظ تو اسے تپا ہی گئے۔ پھر بھی اپنے غصے کو کافی حد تک قابو میں رکھ کر اس نے کہا۔

''میرا دل و دماغ کبھی بھی اس بات پر متفق نہیں ہو سکتا ماما! آپ، آپ خود سوچیں میں بھلا ایسے کس طرح کر سکتی ہوں، ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می!''

''یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ میرے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں اور میں نے کوئی دنیا سے نرالی بات نہیں کی۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ہمارے ارد گرد بکھری ہوئی ہیں۔ ہر بات کو ایک ہی زاویے سے مت سوچا کرو۔ ابھی تمہارے والدین زندہ ہیں تمہارا اچھا برا سوچنے کے لئے۔ ابھی چند دن ہیں تمہارے پاس اچھی طرح غور و

مکمل ناول



فکر کرو۔ مجھے یا تمہارے بابا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں اور تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔" اس کے کھلے انداز پر وہ بھی قدرے سخت لہجے میں بولیں۔

مناہل ہکا بکا انہیں دیکھے گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب الفاظ وہ کہہ رہی ہیں۔

نزہت نے ایک آخری نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل گئیں۔ مناہل نے اپنا بھاری ہوتا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اسے ہرگز یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ فیصلہ اس کے بارے میں کیا جارہا ہے۔ بلکہ ہوسکتا ہے فیصلہ تو کیا جاچکا ہو اسے تو بس یونہی رسماً آگاہ کیا ہو۔ یہ رائے تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اگر اس سے رائے مانگی جاتی تو پھر اس کے جواب کو ہی مقدم رکھا جاتا۔

اس کا دماغ ابھی بھی سائیں سائیں کررہا تھا اور ایک نام بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔

داؤد سلمان، داؤد سلمان۔

"پھر داؤد بیٹا! کیا کہتے ہو تم؟" زرتاج بیگم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں اماں جان!" وہ مبہم سے انداز میں بولا۔

"بیٹا! تمہاری مرضی و منشاء بھی تو درکار ہے۔"

"آپ نے ان لوگوں سے اس کے متعلق کوئی بات کی۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ راضی نہ ہوں۔" داؤد نے اہم نکتہ اٹھایا۔

"اس بارے میں تم فکر مت کرو۔ میں ڈھکے چھپے الفاظ میں ان سے کہہ چکی ہوں۔ صرف تمہاری اجازت درکار تھی ورنہ اسی وقت ساری بات کلیئر کرلیتی۔" وہ محبت بھرے لہجے میں اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"کیا کہتے ہیں وہ؟" وہ ایک دم چونکا۔

کی بات پر۔

"انہوں نے کیا کہنا ہے بیٹا! انہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔" یہ دوہرا حیرت کا جملہ ہوا تھا اس پر۔ اس کا خیال تھا وہ لوگ ایسا نہیں چاہیں گے۔

"اب رہنے دیں اماں جان! ایسے ہی گزرنے دیں۔"

"اللہ خیر کرے بیٹا! ابھی جوان جہان ہو تم۔ انتیس سال بھی کوئی عمر ہے۔ لوگ تو بیس تیس کے پیٹے میں جاکر شادی کرتے ہیں۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اللہ لمبی عمر دے۔ طویل خوشیاں دے۔ بلکہ اپنی اولاد کی خوشیاں بھی دیکھو۔ تمہاری فکر مجھے ہر وقت دامن گیر رہتی ہے۔ اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہو۔ وقت بے وقت آتے جاتے ہو۔ گھر میں کوئی ہوگا تو تمہیں بھی ذمہ داری کا احساس ہوگا۔ میں تو بے فکر ہوگئی تھی تمہاری طرف سے بس جو اللہ کو منظور۔" بات کرتے کرتے آخر میں کچھ افسردہ ہوگئیں۔ داؤد نے اضطراری انداز میں دونوں ہاتھ مسلے۔

"پھر بھی اماں جان! مناہل ابھی بہت چھوٹی ہے۔ پھر رشتے کی نوعیت بھی کچھ اور ہے۔" وہ جیسے اپنا موقف واضح نہیں کر پارہا تھا۔ وہ تو خود اپنے آپ کو بھی اس قابل نہیں محسوس کر رہا تھا۔

"رشتے کی نوعیت بدل جائے تو احساسات خود بخود بدل جاتے ہیں بیٹا! ویسے بھی مناہل اگرچہ کم عمر ہے لیکن سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک ہے۔" زرتاج بیگم کے کہنے پر داؤد سلمان کے تصور میں مناہل کا سراپا لہرا گیا۔

سفید یونیفارم پہ پنک دوپٹہ لیے کندھوں سے کچھ نیچے تک آتے بال دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے وہ کالج گرل کی بجائے اسکول گرل ہی لگتی تھی۔

"میری بات مان کر تو دیکھو بیٹا! اگر تم

چاہتے ہو......" وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئیں۔ پھر دوبارہ ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالتے ہوئے بولیں۔

"ثمین بھی اچھی بچی ہے۔ کافی چکر لگاتی رہتی ہے۔ اکثر مجھ سے ملنے آجاتی ہے"

"نہیں...... ثمین تو ہرگز نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں بولا۔ ثمین کے بارے میں اس کے خیالات اتنے سال گزرنے کے بعد بھی نہیں بدلے تھے۔ وہ آج بھی اس معاملے میں اتنا ہی اٹل تھا۔

"پھر منابل ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ نزہت نے اپنی تینوں بیٹیوں کی پرورش ایک ہی خطوط پر کی ہے۔" داؤد سلمان کے دل میں ایک مرتبہ بھی ٹیس سی اٹھی تھی۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔" بے بسی سے کہتے ہوئے اس نے اپنا سر زرتاج بیگم کی گود میں گرادیا۔

"لیکن میری سمجھ میں سب کچھ آرہا ہے۔" آہستگی سے اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کچھ سوچ کر مسکرادیں۔

"اب نہیں، ہرگز نہیں، ہر دفعہ شکست میرے حصے میں ہی کیوں؟ میں اتنی بھی ارزاں نہیں داؤد سلمان!" وہ جب سے داؤد پیلس سے لوٹی تھی۔ مسلسل کمرے میں چکرا رہی تھی۔ نجانے کتنے چکر کاٹ لئے تھے اس نے یہاں سے وہاں تک۔

"یہ اس کی دوسری مرتبہ تذلیل ہوتی تھی۔ پہلی دفعہ تو وہ خود پہ جبر کر گئی تھی۔ لیکن اب کی دفعہ وہ اپنے اشتعال کو دبا نہیں پائی تھی۔ اس کی انا بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ وہ جس کی اونچی ناک کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ مغرور اور نک چڑھی کے نام سے اسے ابھی تک یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے وجود کو دو دفعہ ٹھکرایا گیا تھا۔ اسے بے مول کیا گیا تھا۔ وہ بل کھائی ہوئی ناگن کی طرح

ابھی تک مچل رہی تھی۔"

"اپنا آپ اتنا مت گراؤ شین! کہ مجھے تمہاری دوستی پہ ندامت ہونے لگے۔ میرا جواب آج بھی وہی ہے جو آج سے پانچ سال پہلے تھا۔" داؤد سلمان کا قطعی انداز اسے یاد آیا تو وہ نئے سرے سے بپھر گئی۔

"میں تم سے ایسا بدلہ لوں گی داؤد سلمان! تم ہمیشہ یاد رکھو گے۔ تمہیں بھی پتہ چلے گا نارسائی کیا چیز ہوتی ہے تم نے میری محبت کو ٹھکرایا ہے اب دیکھنا تمہیں محبت قدم قدم پہ ٹھکرائے گی محبت کے جواب میں ملنے والی اذیت کیسی ہوتی ہے اس کا احساس تمہیں اب ہوگا اور خوب ہوگا۔" دونوں مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوئی۔

آگ کی لپٹیں تھیں جو اسے اپنے وجود سے نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"تم پچھتاؤ گے۔ بہت پچھتاؤ گے داؤد سلمان! ابھی سے خود کو تیار کر لو۔" وہ جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ گئی تھی۔ دل میں ایک مصمم ارادہ کرتے ہوئے وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئی۔

"مناہل آپی! کھانا لاؤں آپ کے لئے؟"

وہ جو اپنے خیالوں میں گم تھی ایک دم چونک اٹھی۔ سر اٹھایا تو نوشابہ کو سامنے پایا۔

"میں پوچھ رہی تھی۔ کھانا کھائیں گی آپ؟" اس کی سپاٹ آنکھیں دیکھ کے نوشابہ سمجھ گئی تھی۔ وہ اس کی بات سن نہیں پائی۔ اسی لئے اپنا سوال دوبارہ دوہرایا۔

"نہیں۔" وہ سرد و سپاٹ لہجے میں بولی۔

"کھالیں آپی! آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ بیمار پڑ جائیں گی ایسے۔" اس کی بکھری ہوئی حالت دیکھ کے نوشابہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" یہ جملہ کل سے وہ نجانے کتنی بار دوہرا چکی تھی۔

"ایسا کر کے آپ کس کو سزا دے رہی ہیں؟ آپ تو بہت سوفٹ نیچر کی مالک ہیں۔ پھر اتنی پتھر دل کیوں ہو رہی ہیں۔" نوشابہ کا لہجہ بھرا گیا۔

"پتھر دل میں ہوں یا تم لوگ......" وہ سخت انداز میں گویا ہوئی۔

"میرے ساتھ تو ایسا مت کریں آپی! میں تو آپ کی بہن ہوں۔" نوشابہ اس کے سامنے دو زانو ہو کے بیٹھ گئی۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اسے دیکھا۔ جو اس وقت بھس بنی بیٹھی تھی۔

"میری بہن ہو؟" مناہل نے نظریں اس پہ گاڑیں۔

"تو پھر تیار رہنا۔ میرے بعد تمہیں ہی قربانی دینی ہوگی۔" استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو کسی نے نوشابہ کے کانوں میں انڈیلا تھا۔ وہ جہاں تھی وہی پتھرا کے رہ گئی۔

اور آج اس کی مہندی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جہاں اب مہندی سوکھ کے جھڑنے لگی تھی۔ ابھی وہ نوشابہ سے کتنے سخت الفاظ کہہ کر آئی تھی۔ وہ بھی کہا کرتی۔ اس کا تو اپنا وجود ابھی تک بے یقینی کی حالت میں ڈول رہا تھا۔ وہ اور داؤد سلمان......؟

اس کی رائے کو اس کے خیالات و احساسات کو کسی نے سمجھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

"تمہارا خیال ہے تم انیس سال کی لڑکی زیادہ عقلمند اور سمجھ دار ہو اور ہم تمہارے بوڑھے والدین بے وقوف اور جاہل ہیں۔" یہ اس کے بابا جان تھے۔ جو ایک لمحے کے لئے اسے اپنی آنکھوں سے دور نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کی ضد پہ اس کے ہاسٹل میں رہنے پہ رضامند ہو گئے تھے

اور ہر ہفتے باقاعدگی سے اسے ملنے آتے تھے۔ اس کی ہر ضرورت بنا کہے جان لیتے تھے اور آج اس کی زندگی کا انتہائی اہم معاملہ وہ سمجھ نہیں پائے تھے۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا بابا جان!'' حیرت کی شدت تھی یا بے یقینی کی انتہا، لیکن اس کے سارے جواز، سارے دلائل دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

''دیکھو اگر تم کہیں اور انوالو ہو تو ہمیں بتا دو۔'' تو اس کے انکار کی وجہ وہ یہ سمجھ رہے تھے۔ اس کا دل تاسف سے اور آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ بمشکل کہہ پائی تھی۔

''تو پھر ہماری مان لینے میں کیا قباحت ہے۔'' پتہ نہیں ان کا لہجہ واقعی سخت تھا یا صرف اسے یہی محسوس ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتے یا اس کے ضبط کا بندھن جواب دے جاتا وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی۔

''پتہ نہیں والدین اس معاملے میں اتنے حساس کیوں ہو جاتے ہیں۔'' اس نے دکھ سے سوچا۔

بس چیدہ چیدہ لوگوں کو ہی انوائیٹ کیا گیا تھا۔ وہ بھی ماما نے ہی کہا تھا۔ ورنہ بابا جان تو چاہ رہے تھے صرف سادگی سے نکاح ہو جائے۔ اس کی چند ایک کزنز ہی تھیں جنہوں نے شور ہنگامہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے اندر چلی آئی تھی۔

''ناجیہ آپی! کی شادی پہ انہوں نے کتنا انجوائے کیا تھا اور مہندی والے دن تو اتنی ہلچل مچی ہوئی تھی کہ اسے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کیا کرلے اور کیا نہ کرے۔'' اس کے دل میں ہوک اٹھی۔

''اور کل...... وہ ناجیہ آپی......!'' اس کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

''نہیں بہن! وہ لوگ ہمارے ہم پلہ نہیں۔ بس تم ہمارے جیسے گھرانے میں کوئی اچھا سا لڑکا ڈھونڈو۔'' فردوس خالہ کی بات سن کے نزہت نے کہا۔

''یہ تم نے خوب کہی نزہت! آج کل ایسے رشتے تو بڑے نصیب والوں کو ملتے ہیں اور تم ناشکری کر رہی ہو۔'' فردوس خالہ چمک کے بولیں۔

''اللہ نہ کرے! میں ناشکری کروں۔ میں تو اس وجہ سے کہہ رہی ہوں وہ لوگ اتنے اونچے اسٹیٹس سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں بھلا لڑکیوں کی کمی ہے وہ کیونکر ہماری بیٹی کو لیں گے۔'' نزہت نے اپنے دل کی بات کہی۔

''اے لو! مجھے تمہاری بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا نزہت! میں کیسے ایسے اونچے دماغ والوں میں اپنی بیٹی دے سکتی ہوں۔ میں نے اگر تم سے کہا ہے تو خوب دیکھ بھال کے اور ٹھونک بجا کے کہا ہے۔ وہ لوگ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔ رئیس ضرور ہیں مگر خر دماغ نہیں۔ میری بہن ایک عرصے سے انہیں جانتی ہے۔ میں تو یونہی اتفاقاً اس کے ساتھ ان کے گھر چلی گئی۔ بلکہ یہ کہو کہ قسمت لے گئی ورنہ میں اکثر اپنی بہن سے ملنے جاتی رہتی ہوں۔ لیکن کبھی حویلی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بس حویلی جانا ہوا تو روبینہ نے باتوں میں ہی ذکر چھیڑ دیا فردوس رشتے کروانی ہے زرتاج بیگم نے اپنے بیٹے کے لئے کہا تو میرے ذہن میں پہلا نقشہ ہی ناجیہ کا ابھرا۔ میں نے تو وہیں ناجیہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ وہ تو میرے ساتھ آنے کو تیار تھیں۔ لیکن

میں نے کہا ایک دفعہ تم سے تو رائے لے لوں۔ ایسے اچھے گھرانے تو ہر کوئی چاہتا ہے اور پھر تم کون سا کسی سے کم ہو۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہی ہے۔ کون سی ایسی نعمت ہے خدا کی جو تمہارے پاس نہیں۔"

"اور زرتاج بیگم نے تو مجھے وہیں بتا دیا تھا انہیں کسی قسم کا لالچ نہیں۔ بس لڑکی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی ہو۔ ارے! لڑکیاں تو انہیں بہت ملتی ہیں لیکن آج کل کا دور ہی بڑا لالچی ہے۔ ہر کسی کی نظر دولت پر ہوتی ہے۔ میں نے تو صاف کہہ دیا اپنی نزہت تو اتنی غیرت مند ہے بیٹی سے کبھی ایک دھیلا بھی نہ لے اور تمہیں تو پتہ ہے بات میں ہمیشہ صاف اور کھری کرتی ہوں خواہ کسی کو برا ہی لگے۔" فردوس خالہ نے تو پوری تقریر ہی کر ڈالی تھی اور آخر کار انہوں نے نزہت کو نیم رضامند کر ہی لیا تھا۔

شام کو نزہت نے ایاز سے اس بارے میں بات کی۔ شروع میں تو وہ بھی متذبذب ہے لیکن نزہت کے قائل کرنے پہ وہ اتنا کہہ کے اٹھ گئے۔

"میں پہلے لڑکے کے بارے میں پتہ کر والوں پھر کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔"

"ماما! ہمیں نہیں کرنا یہ رشتہ۔" مناہل بھی اتفاقاً گھر آئی ہوئی تھی۔ بابا جان کے اٹھتے ہی وہ لپک کر نزہت کے پاس آئی تھی۔ کیونکہ وہ ساری داستان سن چکی تھی۔

"کیوں؟" نزہت نے تیکھے چتون سے دریافت کیا۔

"ماما! یہ جو وڈیرے ٹائپ لوگ ہوتے ہیں ناں یہ بالکل بھی اچھے نہیں ہوتے بڑے غصیلے، رعب چلانے والے اور عیاش طبع ہوتے ہیں۔" وہ اب آلتی پالتی مار کے صوفے پہ بیٹھ گئی اور بڑی مفید معلومات انہیں دے رہی تھی۔

"اچھا...... تمہیں کیسے پتہ......" نزہت نے اسے گھورا۔

"اور ویسے بھی وہ "وڈیرا" حویلی میں نہیں رہتا۔ اس کا اپنا گھر اسلام آباد میں ہے اور وہیں بزنس سیٹل ہے۔"

"یہ تو اور بھی غلط بات ہے یعنی کھلی چھٹی ہے۔" ان کے گھورنے کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اپنی بات پہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"وہ جو میری دوست ہے ناں جبیں، اس کی آپی کی شادی ہوئی تھی اسی طرح ایک وڈیرے کے ساتھ بلکہ وڈیرا پلس بزنس مین پہلے تو جبیں لوگوں نے ان کی دولت دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی دے دی لیکن بعد میں بڑا پچھتائے وہ بالکل بھی اچھا نہیں نکلا۔ پہلے بھی ایک بیوی کو فارغ کر چکا تھا۔ جبیں کی آپی کی تو بالکل بھی قدر نہیں کرتا تھا۔ اپنی من مانیاں کرتا تھا۔ بیوی کو تو پاؤں کی جوتی بنا کے رکھا تھا۔ مارتا پیٹتا بھی تھا۔ ابھی تک ویسا ہی ہے جبیں بیچاری بہت کڑھتی ہے لیکن وہ کیا کر سکتی ہے۔ ان سب کی فطرتیں ایک سی ہوتی ہیں ماما!" جبیں نے تو اسے اور بھی بہت سے "قصے" سنائے تھے اپنے بہنوئی کے۔ لیکن وہ سب مناہل ماں کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"ایسے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ ان کی عادات بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے رسک لینے کی اپنی ناجیہ آپی کے لئے رشتوں کی کمی نہیں۔" وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"تمہارے بابا کہہ تو رہے ہیں پتہ کروائیں گے پھر ہی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔" انہوں نے فی الحال تو اسے ٹالنا چاہا۔

اور پتہ نہیں کیوں مناہل کو یقین تھا۔ اس کا خیال درست نکلنے لگا اور یہ رشتہ نہیں ہو سکتا لیکن۔ یہ اس کی خام خیالی ہی نکلی۔ کیونکہ اسے تو بابا اگلے روز کالج چھوڑ آئے تھے۔ پھر بعد میں کیا کھچڑی پکی اسے ہرگز علم نہیں تھا۔ وہ تو جب نوشابہ نے

اسے فون کر کے بتایا۔
''کہ ناجیہ آپی کی نہ صرف ہاں ہو چکی ہے بلکہ شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو گئی۔'' تو ہو ہکا بکا رہ گئی یعنی اس کی رائے کو بالکل بھی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

''بابا جان نے مجھے منع کیا تھا کہ تمہیں نہ بتاؤں کیونکہ وہ آپ کو سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ لیکن آپی! آپ کو تو پتہ ہے میرے پیٹ میں کوئی بات کب ٹکتی ہے بھلا۔'' وہ اس کی حالت سے قطع نظر اپنی ہی ہانک رہی تھی۔

''آپ لوگوں نے میری بات نہیں مانی ناں۔'' گھر پہنچتے ہی وہ خفگی سے منہ پھلا کے بولی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے مناہل! خوامخواہ کے وہم مت پالو۔ داؤد بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہارے بابا نے ہر طرح سے تسلی کروالی ہے۔'' نزہت جانتی تھی اس کی عادت کو اسی لئے پیار سے اس کے بال بکھیرتے ہوئے بولیں۔

''پھر بھی ماما! آپ نے اس داؤد کے بچے کو مجھ پر ترجیح دی ہے ناں۔'' وہ ہنوز روٹھے پن سے بولی۔

''ارے! میری جان! جو تم میرے لئے ہو وہ داؤد کا بچہ کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس کے ماتھے پہ پیار کرتے ہوئے وہ اسی کے انداز میں بولیں تو وہ بے ساختہ کھلکھلا اٹھی۔

''داؤد سلمان بالکل پرفیکٹ پرسنیلٹی ہے تم دیکھو گی تو اپنی بہن کی قسمت پر رشک کرو گی۔'' نزہت اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کھڑی ہوئیں تو وہ ناجیہ آپی کے سر ہو گئی۔

''زیادہ ضرورت نہیں ہے اس ''وڈیرے'' کو سر پہ چڑھانے کی، بلکہ کھینچ کے رکھنا۔'' اس کے اتنے ''عقلمندانہ'' مشورے پہ ناجیہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''ہنسنے کی بات نہیں ہے ناجیہ آپی! یہ وڈیرے بڑے ہتھ چھٹ ہوتے ہیں۔ اپنے آگے کم ہی کسی کو گھاس ڈالتے ہیں۔ بڑا زعم ہوتا ہے انہیں خود پر اور جبیں تو بتا رہی کہ......''

''بس کرو مناہل! تم نے ابھی سے میری جان نکال دی ہے۔ وہ تو ایسے نہیں لگتے۔'' اس کی رواں دواں زبان کو ناجیہ نے بمشکل ٹوکا تھا۔

''اور تم انہیں بار بار وڈیرا کیوں کہہ رہی ہو۔ وہ اپنے گاؤں کم کم ہی جاتے ہیں ان کا بزنس ادھر ہے اسلام آباد میں۔ تو ظاہر ہے وہ وہیں رہیں گے۔'' چہرے پہ بڑی شرمیلی مسکان سجائے کہہ رہی تھیں۔

''ایں...... وہ...... نہیں...... اوہ ہو۔'' مناہل نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''پوری مسخرہ لگ رہی ہو۔'' ناجیہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

''ایک بات تو بتاؤ آپی! یہ اتنی انفارمیشن کہاں سے ملی ہے۔'' اس کے قریب کھسکتے ہوئے مناہل نے خاصے رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

''ان کی بھابھی آئیں تھیں۔ انہوں نے ہی بتایا ہے۔ پتہ ہے مناہل! ان کی بھابھی بہت اچھی ہیں ان کے شوہر جوانی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ دو بچے ہیں ان کے اب تو بڑے ہو گئے ہیں۔ دونوں جڑواں ہیں۔ فرسٹ ائیر میں پڑھتے ہیں۔''

''مناہل آپی! ماما آپ کو بلا رہی ہیں۔ پھپھو کا فون آیا ہے وہ پہنچ رہی ہیں۔'' نوشابہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔ تو ناجیہ کی بات وہیں رہ گئی۔

''اوہ! پھپھو آ رہی ہیں۔'' وہ خوشی سے قلانچیں بھرتے ہوئے باہر بھاگی۔

''یہ لڑکی کبھی نہیں سدھر سکتی۔'' دائیں بائیں سر ہلاتے ہوئے ناجیہ نے تاسف سے سوچا۔

مہندی والے دن انہوں نے خوب ہلا گلا کیا تھا۔ لڑکے والے مہندی لے کر نہیں آ رہے تھے کیونکہ اتنی دور سے وہ مہندی لا ہی نہیں سکتے اور پھر بابا جان نے بھی منع کر دیا تھا۔ کہ انہیں یہ رسمیں ویسے بھی پسند نہیں تھیں۔ ان سب نے مل کر ناجیہ کو خوب چھیڑا تھا۔

اور پھر بارات کا دن بھی آ پہنچا۔ مناہل ڈارک اور لائیٹ پرپل کلر کے سوٹ میں بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ ناجیہ آپی میرون کلر کے لہنگے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

''ارے...... یہ کون ہے؟'' وہ ریسپشن پہ باراتیوں کو ریسیو کر رہی تھی۔ جب دولہا والوں کی طرف سے کسی خاتون نے پوچھا۔

''یہ ہماری بھتیجی مناہل ہے ناجیہ سے چھوٹی۔'' پھپھو جو اس کے قریب ہی کھڑی تھیں، تعارف کروایا۔

''کمال ہے یہ ہیرا تو آپ نے چھپا کے رکھا ہوا تھا۔ ہمیں تو آج ہی دکھایا ہے۔'' وہ خاتون اب بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ مناہل ہاسٹل میں رہتی ہے شادی سے چند دن پہلے ہی بھائی جان اسے لے کر آئے ہیں سب کچھ اتنا اچانک اور جلدی ہوا تھا کہ مناہل کا بھی آنا نہیں ہوا اور کچھ اس کے ایگزامز ہو رہے تھے ہم نے بھی ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے آپ انہیں دیکھ نہیں پائیں۔'' معاملہ چونکہ بیٹی کے سسرال کا تھا اس لئے پھپھو نے کافی تسلی بخش جواب دیا تھا۔ وہ خاتون وہاں سے ہٹیں تو مناہل نے سکون کا سانس لیا۔ ان کی نظریں مناہل کو کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔

دودھ پلائی کا آغاز ہوا تو ہر طرف اس کے نام کی پکار پڑ گئی۔

''آ رہی ہوں۔ فارغ تھوڑی بیٹھی ہوں۔'' کندھے سے پھسلتا ہوا دوپٹہ سیٹ کرتے وہ اسٹیج کی طرف بڑھی تو ایک دم ٹھٹھک کے رک گئی۔

ماما نے صحیح کہا تھا داؤد سلمان کو دیکھ کر اسے واقعی اپنی بہن کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بھرپور مرد تھا۔ گولڈن شیروانی پہ آف وہائٹ کلاہ پہنے وہ کسی وڈیرے کی بجائے کوئی حسین دیوتا لگ رہا تھا۔ مناہل کے دل میں سویا ہوا شک پھر بیدار ہوا تھا۔

''اتنے حسین، ایجوکیٹڈ اور کریڈیبل آدمی کو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی تھی۔ پھر ناجیہ آپی ہی کیوں؟ وہ لوگ اگرچہ کم حیثیت نہیں تھے لیکن داؤد سلمان کے ہم پلہ تو ہرگز نہیں تھے۔ پھر انہوں نے ناجیہ آپی کو کیسے پسند کر لیا۔ یقیناً کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ یہ نہ ہو جبیں کی آپی کی طرح میری آپی جی...... اللہ نہ کرے ایسا ہو۔'' وہ اپنے خیال سے خود ہی گھبرا اٹھی۔

''تم کیوں یہاں اسٹیچو بن کے چپک گئی ہو۔ آگے نہیں بڑھنا کیا۔'' الوینہ کی آواز اسے خیالات سے کھینچ لائی۔

''ہوں۔'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''چل بھی پڑو۔'' الوینہ جھنجھلائی۔ تو وہ سنبھل کے آگے بڑھ گئی۔

اسٹیج پہ پہنچ کے اس نے دودھ کا گلاس دولہا کی طرف بڑھایا۔

''ٹیسٹ چیک کر لیں پلیز!'' دولہا کے چیلے ارد گرد ہی موجود تھے۔

''آپ کو اپنے وقت پہ ملے گا۔'' مناہل کے ٹکے سے جواب پہ وہ خاصا بدمزہ ہوا تھا۔

''ہم نے پینا نہیں ہے صرف چیک کرنا ہے۔'' کوئی دوسرا مددگار آن ٹپکا۔

''آپ لے لیں۔'' اس سے پہلے کہ معاملہ طول پکڑتا۔ مناہل نے دودھ کا گلاس دولہا کے مزید قریب کر دیا۔ انداز البتہ کافی سنجیدہ تھا۔

داؤد سلمان نے گلاس تھام لیا۔ لڑکے بیچارے بیٹھے ہی رہ گئے۔

"ہاں بھئی جب گلاس تھمانے والے ہاتھ اس قدر خوبصورت ہوں تو کون کافر انکار کر سکتا ہے۔" دولہا پارٹی میں سے کسی نے سرد آہ بھری تھی۔ مناہل کو اپنی پیشانی جلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"پیسے تو مانگو۔" شہلا نے اسے پیچھے سے کہنی ماری۔

"تم کیا گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی ہو۔" الوینہ جو اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

"آپی! پیسے تو مانگ لیں ہم نے دودھ مفت تھوڑی پلایا ہے۔" اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر نوشابہ بھی بول اٹھی۔

"چلیں داؤد بھائی! بیس ہزار دے دیں آرام سے۔" آخر کار نوشابہ کو ہی بولنا پڑا تھا۔

داؤد سلمان نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی پھر اپنے والٹ میں سے پانچ، پانچ ہزار کے کتنے ہی نوٹ مناہل کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

"اتنی جلدی ہار ماننے کی کیا ضرورت تھی۔" لڑکے دوسری مرتبہ پھر چلا اٹھے تھے۔

مناہل نے پیسے اس کے ہاتھ سے پکڑے اور ایک لمحے کی تاخیر کیئے بنا اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

رخصتی کے وقت وہ پھوٹ پھوٹ کے روئی تھی اور تہہ دل سے دعا کی تھی۔ اس کا ہر خدشہ صرف خدشہ ہی نکلے۔ اس کی آپی کو دنیا کی ہر خوشی ملے۔

"یہ کیا بات ہوئی ہم آرہے ہیں اور تم جا رہی ہو۔" وہ یونیفارم پہنے کالج جانے کے لئے بالکل تیار تھی جب ناجیہ آپی آن دھمکیں۔

"آپ اتنی صبح صبح کیسے آگئیں۔" وہ واقعی انہیں اس وقت دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"داؤد کی میٹنگ تھی آج یہیں۔ میں نے کہا مجھے بھی لیتے چلیں۔ ویسے بھی تم سب سے ملنے کو اتنا دل چاہ رہا تھا۔" ناجیہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

ان کی شادی کو تین ماہ ہو گئے تھے۔ اس عرصے میں ناجیہ نے بہت کم چکر گھر کے لگائے تھے۔ بقول اس کے "داؤد گھر میں اکیلے ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیات بے تحاشا ہیں۔ فارغ وقت ہی کم ملتا ہے وہ تو مجھے کہتے ہیں کہ تم اپنے گھر جب دل چاہے چلی جایا کرو۔ لیکن انہیں اکیلا چھوڑ کے آنے میرا دل نہیں چاہتا۔"

"آپی! آپ خوش تو ہیں ناں۔" مناہل یہ سوال ہر دفعہ اس سے پوچھتی تھی۔

"میں بہت خوش ہوں میری جان! تم میرے لئے فکر مند مت ہوا کرو۔" ناجیہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"پتہ ہے داؤد مجھے کہہ رہے تھے تمہاری بہن مناہل بہت خوش طبع ہے۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے کھنچی کھنچی سی رہتی ہے۔ میں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ اس لئے مناہل ذرا جھجکتی ہے۔ ویسے بھی آپ کی اس سے اتنی کم تو ملاقاتیں ہوئی ہیں اور تم ولیمے کے بعد ایک مرتبہ بھی میری طرف نہیں آئی۔ حالانکہ نوشابہ کتنی مرتبہ آچکی ہے۔" آخر میں انہوں نے شکوہ کیا تو مناہل نے بے ساختہ تشکر بھری سانس خارج کی۔

وہ واقعی ابھی تک داؤد سلمان سے نوشابہ کی طرح فری نہیں ہو پائی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہی تھی وہ اس سے بہت کم دفعہ ملی تھی۔ کیونکہ وہ ہاسٹل میں رہتی تھی اور ایک ماہ بعد گھر آئی تھی۔

"اور ہاں تمہاری وہ اسٹوپڈ سی دوست جبیں والی بات بھی میں نے انہیں بتائی تھی اور تمہارے نادر و نایاب مشورے بھی۔ وہ ہنسے اور

بہت حیران بھی ہوئے کہنے لگے مناہل ایسی لگتی تو نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر خود بھی ہنسنے لگی تھی۔

''آپی!'' مناہل احتجاجاً چلا اٹھی۔

''یہ ہمارا سیکرٹ تھا۔'' اس کی خفگی کی پرواہ کیئے بغیر ناجیہ ڈھٹائی سے ہنستی رہی۔

''سنو، داؤد سے مل آؤ۔ انہوں نے جلدی چلے جانا ہے۔'' اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر ناجیہ آپی بولیں۔

''وہیں جا رہی ہوں۔'' کالج جانے کا ارادہ تو اس نے ملتوی کر دیا تھا۔ البتہ یونیفارم ابھی چینج نہیں کیا تھا۔ یونہی وہ ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

''آپی! آپ کو خوف نہیں آتا اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہوئے۔'' لنچ کرنے کے بعد وہ ستانے کے ارادہ سے لیٹی تھیں۔ جب مناہل نے اس سے سوال کیا۔

''پہلے پہل آتا تھا، اب تو میں نے بھی اپنے لئے ایکٹوٹیز ڈھونڈ لی ہیں۔''

''داؤد بھائی کے ساتھ آپ بھی پارٹیز وغیرہ میں شرکت کرتی ہیں۔'' رخ اس کی جانب موڑتے ہوئے اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اگر بزنس پارٹیز ہوں پھر تو وہ مجھے نہیں لے کر جاتے البتہ ویسے پارٹیز ہوں یا کہیں فنکشن ہو تو اگر فارغ ہوں تو پھر مجھے لے جاتے ہیں۔''

''ہاں ان کے اپنے لئے تو ماحول سازگار ہی ہوتا ہے۔'' وہ صرف سوچ کے رہ گئی کہہ نہ سکی۔

''جانتی ہو مناہل! میں نے ایک دن تمہارے والے سوال ان سے کیے تھے۔ ابتدا میں مجھے بھی بہت یہ بات کھٹکتی تھی کہ داؤد اتنے خوبصورت ہیں، پڑھے لکھے ہیں، امیر ہیں، پھر انہیں میں ہی کیوں ملی؟'' ناجیہ کی بات پہ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ یہی پھانس تو ابھی تک اس کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔

''وہ کہنے لگے تم پاگل ہو ناجیہ! بھلا قسمت ہم سے پوچھ کے تھوڑی لکھی گئی تھی۔ بس میری قسمت تمہارے ساتھ لکھی ہوئی تھی تو مجھے تم نے ہی ملنا تھا چاہے تم کہیں بھی، کسی بھی حالت میں ہوتی۔ لوگوں کی شادیاں سات سمندر پار کیوں ہو جاتی ہیں کیونکہ قسمت انہیں وہاں کھینچ کے لے جاتی ہے۔ میری قسمت بھی فردوس خالہ کو کھینچ کر ان کی حویلی میں لے گئی تھی۔ دیکھو کتنی آسان سی بات تھی اور تم خوامخواہ پریشان ہوتی رہی۔'' ناجیہ نے مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ قائل ہو گئی۔

''واقعی جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔'' وہ شاید جبیں وغیرہ کے قصے کا زیادہ ہی اثر لے رہی تھی اس لئے اس کی اپنی سوچ بھی ویسی ہو رہی تھی اور اپنی بہن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ وہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ شانت ہو گئی تھی۔

''داؤد بہت اچھے ہیں مناہل! میں دعا کرتی ہوں اللہ تمہیں بھی میرے جیسی قسمت دے۔'' دعائیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اللہ اسے اس جیسی نہیں بلکہ اس کی ہی قسمت دے دے گا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بابا جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے نہ اپنے کانوں پہ یقین آ رہا تھا نہ اپنی آنکھوں پہ۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''صبر کرو بیٹا! اللہ کو یہی منظور تھا۔'' بابا جان کا ہاتھ اس کے سر پہ ٹھہر گیا۔ تو جیسے اسے ہوش آیا۔

''یہ...... یہ کیسے ہو گیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بابا...... جان!'' وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دی۔ ان کی اپنی آنکھیں برس رہی تھیں۔ لیکن انہیں تو برداشت کرنا تھا۔ اگر وہی

صبر چھوڑ دیتے تو باقی سب کو کس نے سنبھالنا تھا۔
اسے کل شام ہی بابا جان ہاسٹل سے لے کر آئے تھے کہ ناجیہ آپی کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی ہے۔ وہ افراتفری میں بابا جان کے ساتھ گھر آئی۔ ماما تو پہلے ہی اسلام آباد جا چکی تھیں۔ وہ اور نوشابہ بابا جان کے ساتھ فوراً ہی اسلام آباد چلی گئی تھیں اور یہاں آ کر اسے حقیقت پتہ چلی تھی۔
ناجیہ آپی سیڑھیوں سے اترتے وقت چکر آنے کی وجہ سے سیدھی نیچے آ گری تھیں۔ اس حال میں کہ جب وہ امید سے تھیں۔ مس کیرج تو ہو ہی گیا تھا لیکن ان کی اپنی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ وہ بابا جان کے ہمراہ سیدھی ہاسپٹل ہی پہنچی تھی۔ ساری رات آنکھوں میں کاٹنے کے بعد جو خبر انہیں سننے کو ملی تھی اس نے مناہل کے ساتھ ساتھ سب کو ہی حال سے بے حال کر دیا تھا۔
باقی کس کا کیا حال ہے؟ کون اس غم کو برداشت کر گیا تھا کون غم سے نڈھال تھا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی۔ اسے تو اپنی بھی کچھ خبر نہ تھی۔ آنسوؤں کی چادر آنکھوں کے سامنے ایسی تنی کہ پھر اسے کچھ نظر ہی نہیں آیا۔
گزرتا وقت سب کے زخم ہی مندمل کر دیتا ہے ان لوگوں نے بھی آہستہ آہستہ حالات کے ساتھ سمجھوتا کر لیا تھا۔ مناہل نے دوبارہ کالج جانا شروع کر دیا تھا۔ اب تو نوشابہ بھی کالج میں آ گئی تھی۔ ایگزامز دے کر وہ گھر آ گئی تھی۔ ماما نے صاف منع کر دیا تھا۔ اگر اس نے آگے پڑھنا ہے تو پھر ہاسٹل میں نہیں رہنا۔ وہ ان دونوں کو اب آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں۔
زرتاج بیگم اکثر ان کے گھر کا چکر لگا لیا کرتی تھیں۔ کیونکہ واپس حویلی جانے کے بجائے وہ ابھی تک داؤد ہاؤس میں ہی رہ رہی ہیں۔ پھر ان کی آمد و رفت بڑھنے لگی تھی۔ ناجیہ آپی کی وفات کو پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ زرتاج بیگم کے بار بار آنے کا عقدہ مناہل پر کافی دیر بعد کھلا تھا جب ماما نے داؤد سلمان کے متعلق اس سے بات کی۔ اس نے لاکھ انکار کرنا چاہا وہ بھلا ناجیہ کی جگہ کیونکر لے سکتی تھی۔
''آپ میری شادی جہاں مرضی کر دیں لیکن داؤد سلمان سے نہیں۔ میں اس نئے رشتے کو ہرگز نہیں قبول کر سکتی۔'' اس نے بہت لجاجت سے ماما سے کہا تھا۔
''ہماری مرضی تو داؤد سلمان میں ہی ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے اس نے ناجیہ کو بھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بس اللہ کی مرضی اسی میں تھی وہ اتنی ہی عمر لکھوا کے لائی تھی۔'' ناجیہ کے ذکر پر ماما کی آنکھیں نمناک ہو گئی تھیں۔ یہ سانحہ انہیں اپنی عمر سے دس سال آگے لے گیا تھا۔
''دیکھو بیٹا! یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے ہمارے پیارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے اپنی دونوں بیٹیاں دے دی تھیں۔ جب شریعت ہمیں اس چیز کی اجازت دیتی ہے تو پھر اس میں قباحت کون سی ہے؟ ایسی کئی مثالیں تو تم نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہوں گی۔ ہم نے کوئی دنیا سے نرالی بات تو نہیں کی اور پھر سب سے بڑی بات کہ وہ لوگ اتنی محبت اور چاہ سے تمہیں مانگ رہے ہیں۔ ہم نے کہیں نہ کہیں تو تمہاری شادی کرنی ہے پھر ہمیں داؤد سلمان سے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' ماما کسی نہ کسی طرح اسے قائل کر لینا چاہتی تھیں۔ وہ قائل ہوئی تھی یا نہیں البتہ خاموش ضرور ہو گئی تھی۔
بعد میں اس نے خوب واویلا کیا تھا۔ لیکن ماما اور بابا کا خیال تھا یہ سب وقتی باتیں ہیں۔ انہوں نے اس کے روشن مستقبل کو دیکھتے ہوئے زرتاج بیگم کو ہاں کہہ دی تھی اور وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ داؤد سلمان کے پاس نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہیں واپس حویلی جانا

تھا۔ جہاں ان کی بیوہ بہو اپنے دو بچوں کے ساتھ رہائش پذیر تھی اور پھر سارے معاملات آناً فاناً ہی طے ہو گئے تھے۔ نتیجتاً آج اس کے ہاتھوں پہ داؤد سلمان کے نام کی مہندی لگی تھی۔

مناہل کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگی تھیں۔ آج کی ساری رات اسے ماضی کریدتے میں گزر گئی تھی۔ دور کہیں سے اذانوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر وضو کرنے کے لئے چل دی۔ کہ اب آخری مرتبہ رو کے اپنے اللہ کے سامنے اس نے اپنے سارے درد بہانے تھے۔

ریڈ کلر کے لہنگے میں وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ دائیں بائیں لڑکیوں کے ہمراہ اسے آتا دیکھ کر داؤد سلمان بے اختیار ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اسے ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی مناہل ہے جو ینگ سی کالج گرل ہے۔ ابھی وہ اسے ڈھنگ سے دیکھ بھی نہ پایا تھا کہ اسے اس کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔

''یو آر ویری لکی داؤد سلمان!'' ان دونوں کی جوڑی دیکھتے ہوئے ثمین نے کہا تھا۔

ثمین بھی ان کے ساتھ بارات میں شامل تھی۔ وہ چند دن پہلے ہی داؤد سلمان کے پاس گئی تھی اور اپنے گزشتہ رویے پہ معافی مانگی تھی۔ کیونکہ کل شام کی فلائٹ سے وہ اسٹیٹس جا رہی تھی۔ جہاں وہ گزشتہ ایک سال سے مقیم تھی۔ داؤد سلمان نے اس کے دلی ارادے سے قطعی بے خبر اسے معاف کر دیا تھا۔ اسے ہرگز علم نہیں تھا یہ معافی اسے کس قدر مہنگی پڑنے والی ہے اور پھر ثمین نے ہی جلدی جلدی کا شور مچا کے رخصتی کروا ڈالی تھی۔ سارا سفر بھی اس نے مناہل اور داؤد سلمان کے ہمراہ طے کیا تھا۔ سارا راستہ وہ خود بھی بولتی رہی تھی اور داؤد سلمان کو بھی بولنے پہ مجبور کرتی رہی تھی۔ مناہل کو بھی اس نے کئی بار مخاطب کیا تھا لیکن مناہل نے مروتاً بھی جواب دینا گوارا نہیں کیا تھا۔

''تم تھک گئی ہو گی مناہل! ایزی ہو کے بیٹھ جاؤ۔'' چند رسموں کے بعد اسے داؤد سلمان کے کمرے میں پہنچایا گیا تھا۔ داؤد کی رشتہ دار اسے کمرے تک چھوڑنے آئی تھیں۔ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ چلی گئی تھیں۔ جب کہ ثمین ابھی تک اس کے پاس تھی۔

''یہ موقع تو نہیں ہے تم سے ایسی باتیں کرنے کا۔ لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں کل کی فلائٹ سے اسٹیٹس جا رہی ہوں اور جانے سے پہلے چند ضروری باتیں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہے۔'' اس کی مبہم گفتگو پہ مناہل پہلی دفعہ چونکی تھی۔

''جب داؤد سلمان کی پہلی شادی ہوئی تھی اس وقت میں یہاں نہیں تھی اس لئے اس کی شادی میں شرکت نہ کر سکی۔ لیکن خیر......'' اس نے کچھ دیر توقف کیا پھر گویا ہوئی۔

''میں نے اور داؤد سلمان نے ماسٹرز اکٹھے کیا ہے تعلیم کے دوران ہی ہماری دوستی کا آغاز ہوا اور یہ دوستی آہستہ آہستہ محبت میں تبدیل ہو گئی اور پھر یہ محبت شدت اختیار کر گئی۔ ایک دن داؤد سلمان نے مجھے پرپوز کر دیا۔ اس نے میری خوشی کی انتہا نہیں تھی اور ہونی بھی نہیں چاہیے تھی آخر داؤد سلمان جیسے شخص نے مجھے پرپوز کیا تھا۔ خیر ہم دونوں نے اس بات پہ اکتفا کر لیا کہ ماسٹرز کے فوراً بعد شادی کر لیں گے۔ وقت کچھ آگے سرکا تو مجھے داؤد سلمان کی حرکات کے بارے میں سن گن ملنے لگی پہلے پہل تو میں نے یقین نہیں کیا۔ لیکن پھر میں نے ان باتوں کی تصدیق کروانی چاہی تو میری حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب وہ باتیں سو فیصد درست نکلیں۔ وہ ایک برے کردار کا شخص تھا بلکہ ابھی بھی ہے...... ڈرنک وہ ایسے کرتا ہے جیسے کوئی پانی کا

استعمال کرتا ہے۔ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے ''ممنوعہ جگہ'' پہ جانا اس کی دل پسند ہابی ہے اور پھر سونے پہ سہاگہ یہ کہ وہ چوہدری ٹائپ بندہ ہے۔ ہفتے دس دن بعد ایک چکر اپنی حویلی کا بھی لگا آتا ہے۔ وہاں بھی اس کی عیاشی کا ہر سامان مہیا ہے اور پھر وہ تو اپنا گاؤں ہے اپنی زمینیں ہیں نئے سے نیا ماڈل دستیاب ہے وہاں۔ اس کی ماں اور بھابھی سے ہی شادی کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بیچاری بھولی سی عورت تھیں انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن داؤد سلمان کے عزائم سے واقف نہیں تھیں۔ بلکہ اسے اس کی ہمدردی قرار دیا۔ اب بھی وہ حویلی والوں کو اپنے پاس رکھ کر راضی نہیں، حالانکہ اس کا بھتیجا، بھتیجی اتنا اصرار کرتے ہیں کہ وہ پڑھائی کی خاطر اسلام آباد آنا چاہتے ہیں۔ لیکن داؤد نہیں مانتا۔ آخر کو پول کھلنے کا خطرہ ہے۔ ناجیہ سے میں ملی تو نہیں۔ لیکن مجھے پتہ چلا ہے وہ بھی بہت معصوم تھی۔ شوہر کی ''رنگین مصروفیات'' کو بزنس کی مصروفیات سمجھتی رہی۔ خیر...... جب ان باتوں کا مجھے علم ہوا تو میں نے اول تو اسے روکنے کی کوشش کی اور جب اس نے میری نہیں مانی تو میں نے دوستی کا رشتہ بھی ختم کر لیا۔ کیونکہ داؤد سلمان کی نظر میرے ڈیڈی کی دولت پر تھی۔ بعد میں اس نے مجھے کافی فورس کیا۔ دھمکیاں بھی دیں اور حیرت انگیز بات یہ کہ شادی بھی نہیں کی۔ پھر میں تو ایک سال پہلے بیاہ کے اسٹیٹس چلی گئی اور ایک ماہ بعد ہی داؤد نے بھی شادی کر لی۔ ناجیہ کی وفات کے چند دن بعد ہی میرا آنا پاکستان ہوا اور مجھے یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا کہ داؤد سلمان کی عادات ویسی کی ویسی ہیں۔ اس نے پھر مجھے پرپوز کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اپنے شوہر سے جھگڑ کر آئی ہوں۔ جو ہوا سو ہوا میں نے یہ باتیں اس لئے تمہیں بتائی ہیں کہ تم اپنے لئے کوئی بہتر راستہ تلاش کر سکو۔ ہو سکے تو داؤد سلمان کو ہی راہ راست پر لے آؤ۔ ورنہ اپنی زندگی برباد مت کرنا۔''

''شین آپی! اور کتنا انتظار کرواؤ گی چاچو کو۔'' ثومی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو شین مناہل کا گال تھپتھپاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ چند لمحوں بعد ہی داؤد سلمان اندر داخل ہوا تھا۔

''سچ کہا تھا اماں جان نے رشتے کی نوعیت بدل جائے تو احساسات خود بخود ہی بدل جاتے ہیں۔'' مناہل کے عروسی سنگھار کو دیکھ کر جس طرح اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی اس پہ وہ خود بھی حیران ہوا تھا، حالانکہ وہ اس اسٹیج سے پہلے بھی گزر چکا تھا۔

جب کہ دوسری طرف مناہل کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ اتنی باہمت اور باحوصلہ ہرگز نہیں تھی کہ اتنے سارے انکشافات کو ایک دم ہی سہہ جاتی۔ اس کا پورا وجود ہی جھٹکوں کی زد میں تھا۔

داؤد سلمان نے کئی دفعہ اسے پکارا لیکن جواب ندارد کسی خدشہ کے پیش نظر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلانا چاہا تھا جواباً وہ پوری کی پوری اس پہ آن گری تھی۔ پہلے تو وہ سٹپٹایا تھا پھر وہ گھبرا گیا۔ کیونکہ مناہل اسے اپنے ہوش وحواس میں محسوس نہیں ہوئی تھی اور اس کا خدشہ درست نکلا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اسے احتیاط سے بیڈ پہ لٹاتے ہوئے وہ باہر کی طرف لپکا۔

''بے ہوش تو تمہیں ہونا چاہیے تھا داؤد سلمان! اتنا حسن اپنی ملکیت میں دیکھ کر، الٹا تم نے اسے بے ہوش کر دیا۔'' ڈاکٹر نثار کافی مزاحیہ طبیعت کے تھے۔ مناہل کو چیک کرتے ہوئے انہوں نے ماحول پہ چھائی کثافت کو کم کرنا چاہا تھا۔

اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ مسکرائے تھے لیکن داؤد باوجود کوشش کے مسکرا نہ

"ڈونٹ وری ینگ مین! تھکاوٹ، نیند کی کمی اور ٹینشن کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔ میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ صبح یہ اٹھے گی تو بالکل فریش ہو گی۔" اس کی پریشان صورت دیکھ کر ڈاکٹر نثار نے اسے تسلی دی۔

"نظر لگ گئی ہے میری بچی کو۔" زرتاج اس کے سرہانے بیٹھیں قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھیں۔ البتہ کچھ فاصلے پہ کھڑی یمین کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ تھی جسے کوئی بھی محسوس نہ کر سکا۔

تیسرے دن وہ داؤد پیلس لوٹی تھی۔ اس کا دل تو ابھی بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن مجبوری تھی۔ آنا تو تھا ہی۔ سو چار و ناچار اسے آنا ہی پڑا۔ زرتاج بیگم تو اس کے آنے کے انتظار میں تھیں۔ جیسے ہی داؤد پیلس میں آئی۔ زرتاج بیگم گاؤں جانے کے لئے فوراً تیار ہو گئیں۔ اس نے لاکھ روکا لیکن وہ جلد آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔

"چھ مہینے سے یہاں آ کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ پیچھے کی بھی کوئی خیر، خبر لوں، بس مجھے داؤد کی طرف سے پریشانی تھی۔ اس کا بھی گھر بس گیا ہے۔ اللہ تمہیں خوشیاں اور برکتیں دے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" جاتے وقت وہ اس کا ماتھا چوم کر بولی تھیں۔

اتنا بڑا محل نما گھر تھا اور مناہل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ یہاں کیا کرے۔ ملازم بھی گنے چنے تھے۔ ایک چوکیدار اور اس کی بیوی جو کھانا وغیرہ بنا لیتی تھی اور باہر کے کام کاج کے لئے ایک ملازم شریف تھا۔ یہ تینوں ملازمین گاؤں سے ہی آئے تھے۔ یہ ساری معلومات اسے شریف نے دی تھی۔ وہ خاصا باتونی تھا۔

"یا اللہ! میرا تو یہاں ایک دن نہیں گزر رہا ساری عمر کیسے گزرے گی۔" اس نے بے بسی سے سوچا۔

اور اس کی ذہنی روح بھٹک کے ایک مرتبہ پھر داؤد سلیمان کی طرف چلی گئی۔ ان تین دنوں میں وہ اس شخص کو اتنا سوچ چکی تھی کہ اب اسے ایسے لگ رہا تھا۔ اس بارے میں سوچنے کو کچھ رہا ہی نہیں وہ ہر اس پہلو پہ سوچ چکی تھی جو اسے داؤد سلیمان سے دور رکھ سکتا تھا۔ وہ اس شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کجا کہ ساری عمر اس کے ساتھ گزارنا۔

"کیسا گزرا آج کا دن؟" داؤد سلیمان عشاء سے کچھ دیر پہلے لوٹا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی بے دلی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ پروین (چوکیدار کی بیوی) بھی اس کے اکیلے ہونے کے خیال سے ابھی تک اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ مناہل نے جواب دینے کی بجائے صرف سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔" اس نے ایک اور سوال داغا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس دفعہ اس نے دو الفاظ ادا کر ہی دیئے تھے۔

"میں نے کوشش تو کی تھی جلد آنے کی لیکن ایک ضروری کام میں پھنس گیا اسی وجہ سے لیٹ ہو گیا۔" اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

"خوب علم ہے مجھے تمہارے ضروری کاموں کا۔" مناہل نے جل کے سوچا۔

"تمہارے اکیلے ہونے کی بھی مجھے فکر ہو رہی تھی۔ یہاں پر ملازموں کی بھی کوئی فوج نہیں۔ دراصل مجھے زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں ہے۔" وہ خود بھی کم گو تھا۔ لیکن اس کی جھجک دور کرنے کے لئے وہ خود ہی بول رہا تھا۔ لیکن مناہل بولنے کی بجائے صرف اسے سننے پہ ہی اکتفا کر رہی تھی۔

زنک کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ کہیں سے بھی نئی نویلی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ بالکل سادہ سا حلیہ، شادی سے پہلے وہ چند ایک بار اس سے

ملا تھا۔ اس وقت بھی وہ سادہ سے حلیے میں ہی ہوئی تھی البتہ ایک شوخ سا تاثر اس کے چہرے پر موجود رہتا تھا جو اس وقت ندارد تھا۔ اس کی خاموشی کو داؤد نے اس کی طبیعت کی خرابی پر محمول کیا تھا۔

"کھانا لگ گیا ہے صاحب جی!" پروین نے اندر آ کر اطلاع دی تو وہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"آؤ مناہل! پہلے کھانا کھا لیں۔" وہ اس سے مخاطب ہوا تو بھوک نہ ہونے کے باوجود وہ اٹھ کے ڈائننگ ٹیبل تک آ گئی۔

ڈنر کے دوران بھی داؤد نے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کی تھیں۔ جس کا جواب اس نے صرف ہوں ہاں میں دیا تھا۔ اس کی خاموشی کو داؤد سلمان نے بہت محسوس کیا تھا۔

داؤد سلمان نے احتیاطاً اپنا بیڈ روم چینج کر لیا تھا۔ اگرچہ مناہل یہاں ایک دو دفعہ ہی آئی تھی۔ پھر بھی داؤد سلمان نے ممکنہ کوشش کی تھی ماضی کی کوئی بات اسے ناجیہ کے حوالے سے دکھ نہ پہنچائے داؤد سلمان کے بیڈ روم کے ساتھ ہی ایک اور بیڈ روم بھی تھا۔ زرتاج بیگم جب داؤد پیلس آتی تھیں تو یہیں اس کمرے میں ہی قیام کرتی تھیں۔ مناہل نے بھی اس روم کو اپنے لئے منتخب کیا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" کھانے کے دو، چار لقمے ہی اس نے زہر مار کئے تھے اور نیند کا بہانہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اپنے لئے منتخب کردہ کمرے میں پہنچ کے اس نے بستر سیٹ کیا۔ لائٹ آف کی اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔ داؤد سلمان اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتا ہے اسے قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"مناہل! اگر تمہیں کوئی پرابلم ہے تو تم بلا جھجک مجھ سے شیئر کر سکتی ہو، میں ممکن حد تک اسے سولو کرنے کی کوشش کروں گا۔" تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا مناہل کو داؤد پیلس آئے ہوئے۔ لیکن اس کا خاموش انداز ہنوز برقرار تھا۔ وہ صرف اشد ضرورت کے وقت داؤد سلمان کو مخاطب کرتی تھی حالانکہ وہ اس کی پکار کا منتظر رہتا تھا لاشعوری طور پر۔

یہ ٹھیک تھا کہ اس نے ابتداء میں زرتاج بیگم کے کہنے پر بلکہ ان کے اصرار پر اس شادی کے لئے حامی بھری تھی لیکن نجانے وہ کون سی قسم کے جذبات محسوس کرتا تھا۔ جو اس کو مناہل کے بہت قریب کر دیا تھا۔ مناہل کے لئے اس کا دل کچھ اس قسم کے جذبات محسوس کرتا تھا۔ جو اس نے کبھی ناجیہ کی رفاقت میں بھی محسوس نہیں کئے تھے۔ حالانکہ اسے ناجیہ سے بھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پتہ نہیں کیوں جو شدت اسے مناہل کے لئے محسوس ہو رہی تھی وہ کبھی کسی اور کے لئے نہیں ہوئی تھی۔ باوجود اس کے مناہل اس سے اکھڑی اکھڑی رہتی تھی۔

"تم ایک چھ فٹ کی چلتی پھرتی پرابلم ہو داؤد سلمان!" مناہل صرف سوچ کے رہ گئی۔

"کیا مجھ سے کوئی شکایت ہے؟" وہ اب اس کے مقابل آن کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم اس شادی سے ناخوش ہو۔" حتمی نتیجہ اس نے ہی نکالا تھا۔

"اب اس بحث سے کیا فائدہ۔" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔ اک سایہ سا داؤد سلمان کے چہرے پہ آ کر گزر گیا۔

"اس کا مطلب ہے میرا اندازہ درست ہے۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں مناہل! آخر تم ایک جیتی جاگتی لڑکی ہو۔ تمہارے بھی کچھ خواب [illegible] گے۔ مگر یقین جانو، اللہ نے خود ہی میر[illegible] کو

تمہاری طرف ایسا پھیر دیا ہے کہ اب اس دل میں ہر طرف تمہاری محبت ہی نظر آتی ہے اپنا آپ بھی پس منظر میں محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ یقیناً قسمتوں کے کھیل ہیں۔ اس میں کوئی اختیاری عمل دخل نہیں۔" وہ بڑے جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

"لیکن اپنے دل میں آپ کے لئے کوئی ایسا جذبہ محسوس نہیں کرتی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"محبت اپنا آپ خود ہی منوا لیتی ہے۔" اس نے اپنی نرم نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹکا دیں۔

"میں مرد ذات پہ بھروسہ نہیں کرتی۔"

"مجھ پہ کر کے دیکھو کبھی پچھتانے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"اور تھوڑی ہیں آپ پر اعتماد بھروسہ کرنے والے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"ان میں تم تو یقین ہو۔" داؤد سلمان نے سہولت سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبایا۔ مناہل نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا۔ لیکن مقابل کی گرفت مضبوط تھی وہ کسمسا کر رہ گئی۔

اس کا خفا خفا سا انداز بالکل بچوں جیسا تھا۔ جیسے کسی بچے کا من پسند کھلونا اس سے چھین لیا گیا ہو۔ داؤد سلمان کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"میں کوشش کروں گا تمہاری مس انڈر اسٹینڈنگ جلد ختم ہو جائے۔" اس کی اتنی قربت پہ ہی وہ بوکھلا کے رہ گئی تھی۔

"خدا حافظ کہنے گیٹ تک نہیں آؤ گی۔"

اس کا گھبرایا گھبرایا انداز داؤد سلمان کو مزہ دے گیا تھا۔

"مجھ سے یہ چونچلے نہیں ہوتے۔" وہ چڑ کے بولی۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ ہاتھ چھڑا کے فوراً پیچھے ہٹی تھی۔ وہ اس وقت آفس جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔

"شوہر ہونے کے ناطے اتنی رعایت تو ملنی چاہیے مناہل داؤد!" اس نے جان بوجھ کر اس کے نام کے ساتھ اپنا نام لگایا تھا۔

"آگے آپ کے ساتھ "رعایت" کرنے والی کیا کم ہیں۔"

"یقین جانو تمہاری جیسی کوئی بھی نہیں۔" وہ اسے دیکھ کر شرارت سے بولا تھا تو وہ تپ گئی۔

"مجھ جیسی آپ کو ملے گی بھی نہیں۔"

"مجھے تم جیسی چاہیے بھی نہیں مجھے تم ہی چاہیے اور دیکھ لینا ایک نہ ایک دن میں تمہارے دل میں سب سے بلند مقام پا لوں گا۔" باوثوق لہجے میں کہتے اس نے بریف کیس اٹھایا اور اسے "خدا حافظ" کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"ہوں، غلط فہمی، میں ناجیہ نہیں مناہل ہوں۔" وہ اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے بڑبڑائی۔

آج وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا۔ اس کی اور مناہل کی آج دعوت تھی۔ مناہل کی بیزاریت محسوس کرتے ہوئے داؤد سلمان نے خود دعوتوں وغیرہ کا سلسلہ نہیں چھیڑا تھا اور خود اس کی مصروفیت بھی اسے اجازت نہیں دیتی تھی۔ لہٰذا وہ ان چکروں میں پڑا ہی نہیں تھا۔ لیکن اس کے دوست فیاض نے اصرار ہی اتنا کیا تھا کہ اسے ہاں کرتے ہی بنی۔

مناہل کو وہ صبح ہی تیار ہونے کی تاکید کر کے گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس کے ارادوں سے بے خبر تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلنے پہ تیار ہوتی ہے بھی یا نہیں۔ پھر بھی اسے امید تھی کہ وہ اس کی بات مان لے گی۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ سیدھا اندر کی طرف بڑھا تھا۔

"پروین! آج تم جلدی چلی جانا ہم ڈنر پہ جا رہے ہیں۔" وہ سامنے ہی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے دکھائی تھی پروین کو ہدایت کرتے

ہوئے۔ باریک فان کلر کا سوٹ جس پہ میرون اسٹائلش سا کام بڑی نفاست سے کیا گیا تھا۔ زیب تن کیئے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہم رنگ میک اپ اور جیولری نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا۔ داؤد سلمان کو دیکھ کر وہ بھی ٹھٹھک کر سیڑھیوں پہ ہی رک گئی۔

"اچھا ہوا تم تیار ہو گئی۔ بس دس منٹ انتظار کرو۔ میں فریش ہو کے ابھی آیا۔" اس کا دل تو چاہ رہا تھا کوئی شوخ جملہ اس پہ اچھال دے۔ لیکن اس کے موڈ کے بگڑنے کے خیال سے وہ اپنی خواہش کو دبا گیا اور اسی طرح اسے سارا رستہ خود پہ صبر و ضبط کرنا پڑا تھا۔ اتنا تحمل بھی اسے محبت نے سکھایا تھا۔

"بھابھی! آپ ہی اسے لگام ڈالیں۔ ہر وقت دماغ کھپانا اس نے اپنی ہابی بنا رکھا ہے۔ میری مانیں تو اسے گھر داری سکھائیں۔" فیاض اور اس کی بیوی دونوں ہی ہنس مکھ طبیعت کے تھے ان کی باتوں نے مناہل کو بھی مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"لگتا ہے ثناء بھابھی نے آپ کو خوب گھر داری سکھائی ہے۔" وہ اتنے خلوص سے اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے ازارہ مروت اسے بھی گفتگو میں حصہ لینا پڑا۔

"بالکل آج کے ڈنر کی سب ڈشز میں نے ہی بنائی ہیں۔" وہ شرمندہ ہوئے بغیر ڈھٹائی سے بولا۔

"ان کی باتوں پہ مت جانا مناہل! یہ شیخ چلی کی نسل سے ہیں۔ شیخیاں بگھارنے میں لاثانی!" ثناء کی بات پہ فیاض نے مصنوعی حیرت سے دیکھا۔

"تم میری نسل کو کیسے جانتی ہو۔"

"آپ کو جان لینا ہی بڑی بات ہے۔" ثناء مسکراتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پہ برتن سیٹ کرنے لگی وہ سب بھی ڈائننگ روم میں پہنچ چکے تھے۔

"اب ہمیں تو علم نہیں تھا کہ آپ کو کون سی ڈشز پسند ہیں لہٰذا ہم نے اپنی ہی من پسند ڈشز بنا لی ہیں۔ امید ہے آپ کو پسند آئیں گی۔ آپ کو نہ بھی آئیں تو کوئی بات نہیں کیونکہ ہمیں تو وہ بہت پسند ہیں۔" فیاض کی زبان خاموش رہ جائے یہ کہاں لکھا تھا۔

"پھر تو تم نے اپنی دعوت کی ہماری تو نہ کی۔" داؤد سلمان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"سمجھ دار تو تم شروع سے ہو بس ایک معاملے میں مات کھا گئے ہو۔" فیاض نے خاصے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"وہ کون سا معاملہ ہے؟" ثناء بھی فیاض کے برابر والی کرسی پہ بیٹھ چکی تھی۔ اس لئے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہی ایک حسینہ، مہ جبینہ، ثمین پہ برا ہوا بیچاری کے ساتھ۔" فیاض نے آنکھوں میں شرارت بھر کے داؤد سلمان کی جانب دیکھا۔ ثمین کے نام پہ مناہل کے کان فوراً کھڑے ہوئے تھے۔

"اس کا یہاں کیا ذکر۔" داؤد سلمان کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

"ہاں لڑکیوں کی حیثیت تو تمہارے نزدیک ٹشو پیپر کی سی ہے۔ جب تک زیر استعمال ہے اہمیت کے قابل ہے۔ ضرورت ختم تو اہمیت ختم، بات ہی ختم۔" داؤد سلمان کے لہجے میں بیزاریت محسوس کر کے مناہل نے تاسف سے سوچا۔

"ایکسکیوزمی! یہاں مبہم باتیں نہیں ہوں گی جب کہ یہاں دو عدد لیڈیز موجود ہیں۔" ثناء نے چمچ بجاتے ہوئے انہیں تنبیہ کی تھی۔

"یار! یہ بیویوں میں جیلس ہونے والی عادت بہت بری ہے۔" فیاض کا انداز سراسر

چرانے والا تھا۔

"بیویوں...." ثناء نے آنکھیں نکالیں تو فیاض ہنسنے لگا۔

پورے ڈنر میں دونوں میاں بیوی یونہی ایک دوسرے پہ فقرے اچھال کے ماحول کو خوشگوار بناتے رہے تھے۔ شکر تھا کہ وہ دونوں خود ہی بہت باتونی تھے اس لئے ان دونوں کی خاموشی انہیں زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔

"آپ ضرور آیئے گا ہماری طرف اور آج کے ڈنر کے لئے بھی بہت بہت تھینکس۔ بہت انجوائے کیا میں نے۔" واپسی پہ الوداعی کلمات کہتے ہوئے مناہل پورے خلوص سے بولی۔

وہ واقعی ایک ہی طرح کے دن گزارتے ہوئے جمود کا شکار ہو گئی تھی۔ آج باہر نکلی تھی تو طبیعت بھی قدرے خوشگوار ہو گئی تھی۔ پھر فیاض اور ثناء کی ہنس مکھ اور بذلہ سنج عادت نے اس کی بیزاریت کو بھی خاصا کم کر دیا تھا۔

"لگتا ہے مکھن آج کل سستا ہو گیا ہے۔" فیاض نے سر کھجاتے ہوئے مناہل کو دیکھا۔

"اوں...... ہوں...... میں مکھن اور خلوص میں سو فیصد امتیاز کر سکتی ہوں۔" مناہل کو گلے لگاتے ہوئے ثنا محبت سے بولی۔

"ہم ضرور آئیں گے۔ انشاء اللہ!" جب تک وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ نہ گئے۔ فیاض اور ثناء وہیں کھڑے رہے۔

"لگتا نہیں ہے کہ آپ کے دوست ایسے بھی ہوں گے۔" وہائٹ مرسڈیز تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ مناہل کی بات پہ داؤد سلمان نے خوشگوار حیرت آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

شاید پہ پہلی مرتبہ اس نے داؤد سلمان کو خود سے مخاطب کیا تھا۔

"دوستوں کو چھوڑو، اگر تمہیں میری گزشتہ عادات کے متعلق پتہ چلے تو شاید تم یقین ہی نہ کرو۔" وہ بڑے خوشگوار لہجے میں بولا۔

"اب تو ایسا نہیں لگتا۔" کندھے اچکاتے ہوئے اس نے رائے ظاہر کی اور یہ بات واقعی صحیح تھی۔ اس نے جب سے اسے دیکھا تھا یونہی سنجیدہ اور بارعب سا دیکھا تھا۔ صرف ضرورت کے تحت مسکرائے ہوئے۔

"بات تو صرف محسوس کرنے کی ہے مناہل! تم ایک دفعہ اس احساس کو چھو کر تو دیکھو، محبت و عزت کا ہر رنگ تمہیں یہاں ملے گا۔ داؤد سلمان تمہیں کبھی بھی مایوس نہیں ہونے دے گا۔" اسے نگاہوں میں سموتے ہوئے وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔

اس کی گہری نظروں اور گہرے لہجے پہ مناہل بری طرح سٹپٹائی تھی۔ کوئی بھی جواب دینے کی بجائے وہ خود کو لاتعلق ظاہر کرتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"کب تک نگاہ چراؤں گی مناہل داؤد! ایک نہ ایک تمہیں میری محبت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑیں گے اور مجھے اس دن کا پوری شدت سے انتظار ہے۔" اسٹیرنگ پہ اپنے ہاتھوں کی گرفت کو مزید مضبوط کرتے ہوئے داؤد سلمان نے خود سے کہا تھا۔

نوشابہ کا فون آیا تھا۔ ماما کی طبیعت کافی خراب تھی۔ وہ اپنا سارا غصہ بھول بھال کر ان سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ انہوں نے اگرچہ مناہل سے بات کر کے اسے کافی تسلی دی تھی کہ وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ مان کے نہیں دی۔ اب اس کا دل چاہ رہا تھا۔ اڑ کر گھر پہنچ جائے وہ خود ہی اتنا اداس ہو گئی تھی۔

داؤد سلمان جیسا بھی شخص تھا کم از کم اس

کے گھر والے اسے اچھا ہی سمجھتے تھے اس کی برائی کا پہلو ان کے سامنے نہیں آیا تھا۔ خود مناہل کے سامنے بھی نہیں آیا تھا اگر تہمینہ اسے آگاہ نہ کرتی تو اس سارے قصے میں اس کے ماما اور بابا جان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اگر انہیں داؤد سلمان کے کردار کے متعلق کوئی بات پتہ چل گئی تو اس کی حیثیت داؤد پیلس میں قطعاً وہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔ یہی وہ حکمت عملی تھی جس پر مناہل نے خود کو سمجھا لیا تھا۔

وہ داؤد کے آنے کی منتظر تھی تاکہ اس سے اجازت لے کر گھر جا سکے جب کہ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ آج وہ معمول سے کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا تھا۔ مناہل نے پروین کو تو کوارٹر میں بھیج دیا تھا۔ البتہ شریف بیچارہ کارپٹ پہ بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

اللہ اللہ کر کے اس کی آمد ہوئی تھی۔ شریف بھی اٹھ چکا تھا اور اب ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا رہا تھا۔ ڈنر اور ناشتہ وہ ہمیشہ گھر پہ مناہل کے ساتھ ہی کرتا تھا۔

''آج میں کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گیا۔'' ڈائننگ ٹیبل کی چیئر گھسیٹتے ہوئے وہ بولا۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے اس نے کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے تھے اور یونہی کھانے کی میز تک آ گیا تھا۔

''آپ اکثر و بیشتر اسی ٹائم پہ آتے ہیں۔'' وہ بھی اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''تم اگر میرے بغیر اداس ہو جاتی ہو تو میں جلد آ جایا کروں گا۔ بلکہ تم کہو تو میں سرے سے آفس ہی نہیں جاتا۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''شریف! تم چلے جاؤ۔ میں خود ہی برتن اٹھا لوں گی۔'' اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے وہ خوامخواہ ہی شریف سے مخاطب ہوئی۔

داؤد سلمان اس کے انداز پہ مسکراتے ہوئے پلیٹ پہ جھک گیا۔ وہ اگر مذاق میں بھی کوئی ذو معنی بات کہہ دیتا تھا تو اس کا ردعمل ایسا ہی ہوتا تھا۔

''کچھ کہنا ہے؟'' وہ کافی دیر سے نوٹ کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔ یہ سوچ نگاہیں اس پہ جماتے ہوئے وہ کچھ کہنے لگی تھی۔

''جی۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''ایسا کرو پہلے اسٹرانگ سی چائے پلاؤ لاؤنج میں لے آنا میں وہیں بیٹھا ہوں۔'' وہ اٹھ کر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے ہدایت دے کر لاؤنج میں چلا گیا۔

''اف...... ایک تو پرسنالٹی ایسی ہے بندہ خوامخواہ رعب میں آ جاتا ہے۔'' اس کے جاتے ہی مناہل نے نکلس کر سوچا۔

چائے لے کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہ ٹی وی پہ کوئی جیوگرافک پروگرام دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے ٹی وی کا والیوم خاصا کم کر دیا تھا۔ مناہل نے چائے کا کپ اسے پکڑانے کی بجائے سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔

''تم چائے نہیں پیو گی۔'' ایک ہی کپ دیکھ کر داؤد سلمان نے استفسار کیا۔

''نہیں، میں رات کو چائے نہیں پیتی۔'' جواب دینے کے ساتھ ہی اس نے وجہ بھی بتا دی تھی مبادا وہ ''کیوں'' کا سوال نہ کر دے۔

''وہ میں دراصل......''

''بیٹھ جاؤ، بیٹھ کر بات کر لو۔'' وہ اسے ٹوک کر بولا۔ تو مناہل اس سے کوئی فاصلے پہ رکھے ہوئے صوفے پہ ٹک گئی۔ ایک تو اتنی رات اوپر سے تنہائی، مناہل اچھا خاصا گھبرا گئی تھی۔ جو چند ایک ملازم تھے۔ وہ بھی اپنے اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے۔ داؤد سلمان نے اس کی حرکت بطور خاص نوٹ کی تھی۔

''وہ...... آج نوشابہ کا فون آیا تھا ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مجھے گھر جانا ہے صبح۔''

انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

میری آج دوپہر میں ہی ان سے بات ہوئی ہے۔ بلکہ اکثر و بیشتر میری ان سے بات ہوتی رہتی ہے۔" وہ اس کی بے یقین آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"لیکن مجھے جانا ہے۔ میں ان کے بغیر اداس ہوگئی ہوں۔"

"اور تمہارے بغیر داؤد سلمان اداس ہو جائے گا۔" وہ بھی اسے تنگ کرنے کے موڈ میں آ گیا۔

"پہلے بھی تو میرے بغیر ہی رہتے تھے۔" حسب توقع وہ چڑ گئی تھی۔

"پہلے کی بات بھی اور تھی۔"

"تو اب کون سا میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتی ہوں۔" جھنجلاہٹ میں اس کے منہ سے پھسل گیا۔

"ساتھ ساتھ نہیں رہتی تو کیا ہوا آس پاس تو رہتی ہو ناں۔" وہ بھی اپنے موقف پہ ڈٹا ہوا تھا۔

"تو آپ مجھے نہیں جانے دیں گے۔" اس کی جھنجلاہٹ اب غصے میں بدلنے لگی تھی۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔" مزے سے چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پھر میں چلی جاؤں صبح۔"

"چلی جانا، لیکن پہلے مجھے ایک بات کا جواب تو دو۔" وہ جو اس کا پہلا جملہ سن کے اٹھنے لگی تھی۔ اگلا جملہ سن کے دوبارہ وہیں بیٹھ گئی۔

"تم مجھ سے اتنا بھاگتی کیوں ہو۔" اپنی گہری نگاہیں اس پہ جما کے داؤد سلمان نے استفسار کیا تھا۔ مناہل اس غیر متوقع سوال پہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔

"تمہیں اگر مجھ میں کوئی خامی یا کوئی ناگوار بات محسوس ہوتی ہے تو تم مجھے کہہ سکتی ہو میں مائنڈ نہیں کروں گا بلکہ اس کی اصلاح کی کوشش کروں گا۔" اسے یاد تھا تو ایک دفعہ ناجیہ نے اس سے ذکر کیا تھا کہ مناہل کو زمیندار اور وڈیرے ٹائپ لوگوں سے خاص چڑ ہے۔ اس لئے وہ اس سے بھی کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔ اس وقت تو اس نے خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ کیونکہ اس مختصری مدت میں اس کی ملاقات مناہل سے بہت ہی کم ہوئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اسے نئے رشتے کو قبول نے میں زیادہ وقت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ جتنا اس کی طرف مائل تھا۔ مناہل اتنی ہی لاتعلق نظر آتی تھی۔

"اپنی خامیوں سے سب سے زیادہ آگاہ انسان خود ہی ہوتا ہے۔" وہ اس کی دیدہ دلیری پہ عش عش کر اٹھی۔ ہر برا کام کرنے کے باوجود وہ کیسا معصوم بن کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان کو اپنی خامیاں بھی خوبیاں ہی محسوس ہوتی ہیں جب کہ دوسرے شخص کے نزدیک وہ خامیاں ہی ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے ایسا ہی معاملہ میرے ساتھ بھی ہو۔"

"میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو ابھی تک اس رشتے کے لئے تیار نہیں کر سکی۔ میں نے ماما، بابا کو ایسا کرنے سے روکا بھی تھا۔ لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی اور اب نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" وہ اس کے کرتوتوں سے تو اسے آگاہ نہ کر سکی تھی۔ بلکہ بظاہر انجان بن کے وہ کسی موقع کی تلاش میں تھی۔ جو داؤد سلمان کے کردار کو خود ہی واضح کردے۔

داؤد سلمان کے چہرے پہ اک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اسے اگرچہ اس بات کا اندازہ تھا۔ اس کے باوجود اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے

ہتھیار ڈالتے ہوئے بولیں۔

مناہل خاصے غصے سے باہر نکلی تھی۔ ماما اگر یہاں موجود نہ ہوتیں تو وہ کسی قیمت پر جانے کے لئے راضی نہ ہوتی۔ وہ ماما کی طرف سے بھی شاکی ہو رہی تھی جنہوں نے داؤد سلمان کے ساتھ ہی اس کی بات کی فوراً تائید کر دی تھی۔

وہ تیار ہو کر آئی بھی تو خفا خفا سی تھی۔ تیار ہونے میں اس نے جان بوجھ کر دیر لگائی تھی۔

''اوکے آنٹی! اب اجازت دیں۔'' جیسے ہی مناہل اندر داخل ہوئی، داؤد سلمان فوراً کھڑا ہو گیا۔

''میں نے آپ کو کہا بھی تھا کہ میں نے دو ہفتے ماما کی طرف رہنا ہے اس کے باوجود آپ مجھے لینے آ گئے۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ شروع ہو گئی۔

''میں اداس ہو گیا تھا تمہارے بغیر، یقین جانو یہ دو دن ہی بڑی مشکل سے گزارے ہیں۔ ابھی بھی ایک ضروری میٹنگ چھوڑ کے آ رہا ہوں۔'' وہ اس سے اسی قسم کے رویے کی توقع کر رہا تھا۔ بلکہ اس نے تو خود کو ذہنی طور پر تیار بھی کر لیا تھا۔

''خوامخواہ چھوڑی آپ نے اتنی ضروری میٹنگ۔'' وہ جل بھن ہی تو گئی۔

''اس لئے کہ وہ ضروری میٹنگ تم سے زیادہ اہم نہیں ہے۔'' وہ اسے متبسم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''دن میں ڈائیلاگ کتنی مرتبہ بولتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں چھپے طنز کو وہ محسوس نہیں کر سکا تھا اسی لئے اپنی ہی ترنگ میں گویا ہوا۔

''آج تو صرف تم سے ہی بولا ہے۔'' اس کی شرارت سے کہے گئے فقرے کو مناہل نے اپنے ہی معنی پہنا لئے تھے۔

(میری غیر موجودگی کا بھی تم نے خوب فائدہ اٹھایا ہو گا داؤد سلمان!) اس نے دل میں سوچا۔

''تم ناراض مت ہو۔ ایسا کرنا اگلی دفعہ تم پورا ہفتہ رہ لینا۔'' داؤد سلمان تو اسی پہ بہت خوش تھا کہ اس نے اس سے کوئی رشتہ تو قائم کیا۔ خواہ وہ ناراضگی کا ہی ہو۔

''شکریہ! مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔'' تند لہجے میں کہتے ہوئے وہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

''یعنی میرے پاس ہی رہنا ہے۔ اس سے اچھی بات تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔'' اس کا بے ساختہ قہقہہ گاڑی میں گونجا۔

''بہت ڈھیٹ ہے یہ شخص اور چالاک بھی۔ ہر بات کو گھما پھرا کے اپنے مطلب پہ لے ہی آتا ہے۔''

مزید کوئی بھی بات کیے بغیر وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کے آنکھیں موند گئی۔ داؤد سلمان نے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ مزید بڑھا دی۔

''کیا بناؤں آپ کے لئے اماں جان!'' زرتاج بیگم آج ہی حویلی سے اسلام آباد آئی تھیں۔ ایک تو ویسے ہی ان کی شخصیت ایسی رعب داب والی تھی کہ مناہل ان کے ساتھ بد اخلاقی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور دوئم یہ کہ اسے چڑ صرف داؤد سلمان سے تھی اس کے گھر والوں سے نہیں۔

''کچھ بھی بنا لو بیٹا! میں تو ہر چیز ہی کھا لیتی ہوں۔ ہر چیز ہی اللہ کی بنائی ہوئی ہو۔ ایسے ہی کسی چیز میں نقص نکالنا کوئی اچھی بات تھوڑی ہے اور مجھے تو سبزی اور دال بھی گوشت کی طرح مرغوب ہیں جو میری بیٹی اپنے ہاتھوں سے پکا کر کھلا دے گی ہم تو وہ کھالیں گے۔'' ان کے انداز

میں شفقت اور حلاوت پنہاں تھی۔

"آپ کی بات تو ٹھیک ہے اماں جان! لیکن ایک چیز پسند ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ باقی چیزیں ناپسند ہیں۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ڈش انہیں دوسری ڈشز کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ یعنی باقی سب پسند ہیں اور یہ پسندیدہ ہے۔" اس کی مفصل وضاحت پہ زرتاج بیگم نے نہال ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ماشا اللہ! قائل کرنے کا انداز تمہارا بھی بالکل داؤد کی طرح ہے۔ وہ بھی ایسے ہی کرتا ہے اللہ تم دونوں کو برکتیں دیں۔ نیک اور صالح اولاد دیں۔" ان کی دعاؤں پہ مناہل بری طرح جز بز ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید دعاؤں میں اضافہ کرتیں۔ مناہل کھڑی ہو گئی۔

پروین اور شریف کی مدد سے اس نے ڈنر پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ داؤد سلمان کو بھی زرتاج بیگم کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اسی لئے وہ آفس سے جلد اٹھ آیا تھا۔ وہ دونوں سٹنگ روم میں تھے۔ جب کہ اس نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگوا دیا۔

"واہ! یہاں تو ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی کی دعوت کا اہتمام ہے۔" چیئر گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے داؤد سلمان نے پورے ٹیبل پہ نظریں دوڑا کر کہا۔

"لیکن یہ دعوت آپ کی ہرگز نہیں ہے۔" مناہل نے فوراً اسے پیشتر وضاحت کی۔ اگرچہ اس کی پیار بھری تنبیہہ مصنوعی تھی۔ اماں جان کی موجودگی کی وجہ سے تھی اس کے باوجود داؤد سلمان کو اچھی لگی تھی۔

"میری اور اماں جان کی دعوت الگ الگ تھوڑی ہے۔ ہے ناں اماں جان!" اس نے تائید طلب نظروں سے زرتاج بیگم کو دیکھا۔

"اوں..... ہوں۔ میری اور میری بیٹی کی دعوت میں کوئی فرق نہیں۔" مناہل کو محبت سے دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔

"یہ تو فاؤل ہے۔" وہ احتجاجاً چلا اٹھا۔

"آج کل کے دور میں فاؤل ہی چلتا ہے۔" مناہل نے اسے چڑایا۔

"ٹھیک ہے فاؤل ہی چلے گا۔ یہاں تو خواتین کی اجارہ داری ہے ویسے بھی مجبوری از اتھارٹی۔" وہ مسکینیت سے گویا ہوا۔ تو وہ دونوں بے ساختہ مسکرا دیں۔

کھانے کے بعد وہ لاؤنج میں بیٹھے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

"آپ کس کمرے میں سوئیں گی اماں جان! مجھے بتا دیں تا کہ میں بستر وغیرہ سیٹ کر دوں۔" مناہل نے ان کی آنکھوں میں نیند کے اثرات دیکھ کر استفسار کیا۔

"میرا کمرہ تو مخصوص ہے بیٹا! میں جب بھی آتی ہوں اسی کمرے میں قیام کرتی ہوں۔ وہ جو تم لوگوں کے کمرے کے ساتھ والا کمرہ ہے۔"

پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ یہ "تم لوگوں کے کمرے" سے کون سا کمرہ مراد ہے اور جب سمجھ آئی تو اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

اس سے مراد وہ والا روم تھا جہاں وہ شادی کے بعد سے مقیم تھی۔ اگر اماں جان وہاں آرام کرتیں تو لامحالہ آج کی رات اسے "تم لوگوں کے کمرے" میں ہی گزارنی پڑتی۔

داؤد سلمان کو اس کے چہرے کی اڑی اڑی رنگت مزہ دے گئی تھی۔ وہ کس وجہ سے پریشان ہو رہی تھی وہ اس کے اپنے علاوہ داؤد سلمان ہی جانتا تھا۔

"او کے اماں جان! شب بخیر مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ تم اماں جان کا بستر وغیرہ درست کر

کے آجانا مناہل!'' وہ جان بوجھ کر جاتے ہوئے اسے مخاطب کر کے گیا۔ مناہل بری طرح سلگ کے رہ گئی۔

زرتاج بیگم کو ان کے کمرے میں چھوڑ کے آنے کے بعد وہ کتنی دیر تک داؤد سلمان کے روم کے باہر کھڑی رہی۔

''کیا کریں گے کھا تو نہیں جائیں گے ناں مجھے۔'' وہ خود کو حوصلہ دیتے ہوئے دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گئی۔

داؤد سلمان بیڈ پر نیم دراز غالباً کوئی مووی دیکھ رہا تھا۔ مناہل کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے بطور خاص نوٹس لیا تھا۔ تاہم بولا کچھ نہیں۔ اس کے باوجود مناہل کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اسے وہیں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔ اس کی گھبرائی ہوئی حالت داؤد سلمان کو مزہ دے گئی۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی صوفے پہ بیٹھ گئی۔ انگلیاں مڑوڑتے ہوئے وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ سوئے کس جگہ؟

''تمہیں جو بات پریشان کر رہی ہے میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن تم فکر مت کرو۔ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو میں محبت میں زبردستی کا قائل نہیں۔ لیکن اس دن کا منتظر ضرور ہوں جب تمہارے دل پہ جمی گرد صاف ہو جائے گی۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر وہ بہت آہستگی سے کہہ رہا ہے۔ مناہل بدستور اسی حالت میں بیٹھی تھی۔

''سو جاؤ اب رات بہت بیت چکی ہے۔'' وہ کہتا ہوا خود بھی لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔ مناہل نے الماری سے کمبل نکالا اور صوفے پہ لیٹ کر اچھی طرح خود پہ کمبل تان لیا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو کوئی اس کا کندھا ہلا رہا تھا۔ چہرے سے کمبل ہٹا کر اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''سات بج چکے ہیں مناہل! اٹھنا نہیں ہے کیا؟ اگر زیادہ نیند آرہی ہے تو بیڈ پہ چلی جاؤ ورنہ ہو تمہیں دیکھنے کے لئے اماں جان خود ہی اندر آ جائیں۔'' داؤد اس پہ جھکا کہہ رہا تھا۔

مناہل کی نیند فوراً اڑن چھو ہوئی تھی۔ اسے یاد آ گیا تھا وہ رات کو کہاں سوئی تھی۔

''میں آرہی ہوں۔'' اس نے تھوڑا سا کمبل مزید کھسکا دیا۔ داؤد سلمان ایک نظر اس پہ ڈال کر باہر نکل گیا۔

''اوہ...... شٹ! میں اتنی دیر تک سوتی رہی اوپر سے نماز بھی قضاء ہو گئی۔'' اس نے کمبل اتار کے ایک سائیڈ پہ پھینکا اور گھڑی دیکھتے ہوئے خود پہ افسوس کیا۔

''یہ یقیناً اس کمرے کی نحوست ہے ورنہ میری صبح کی نماز تو کبھی قضاء نہیں ہوئی چاہے جتنی بھی دیر سے سوؤں۔'' یہ بات کہتے ہوئے وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ اس کمرے کا مالک تو وقت پہ ہی فجر کی نماز پڑھ آیا تھا۔ البتہ وہ سرے پاؤں سے ایسے کمبل لپیٹ کے سوئی ہوئی تھی کہ باوجود چاہنے کے وہ اسے اٹھا نہ سکا۔

منہ پہ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں اسے اماں جان کے سامنے ''ہم بہت خوش ہیں'' کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
اس جھیل کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہار بن لہروں میں
اک روز ہم بھی شام ڈھلے
اس پھول کے بہتے رنگوں میں

جس وقت اترتا چاند چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشاں ہو جائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہو جائے
پھر چاہے پھول سے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے
وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
وہ عکس کبھی آزاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو

اس کے دلکش چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے داؤد سلمان کو بہت پہلے کی پڑھی ہوئی یہ نظم یاد آنے لگی تھی۔ بے ساختہ اس کا جی چاہا تھا کہ کچھ لمحے اسے سامنے بٹھا کر دیکھتا رہے لیکن یہ اختیار مناہل نے اسے دیا ہی کب تھا۔ مگر کبھی کبھی اس کا دل بھی بے اختیار ہو جاتا تھا۔ ایسے میں خود کو سمجھانا، سنبھالنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ایسا کرتا تھا۔ آخر کو مناہل داؤد کا اعتماد بھی تو برقرار رکھنا تھا۔ چاہے اس کا اپنا دل ہی خون ہو جاتا۔

انک بلیو اور آف وہائٹ کلر کے اسٹائلش سے سوٹ میں بہت لائٹ میک اپ کے باوجود نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔

آج فاروق یوسفی کے گھر گیٹ ٹو گیدر تھی۔ وہ خود بھی اس قسم کے فنکشن میں کم ہی شرکت کرتا تھا۔ لیکن یہ پارٹیز بھی بزنس کا ایک حصہ تھیں۔ سو اکثر و بیشتر نہ چاہتے ہوئے اسے شریک ہونا ہی پڑتا تھا۔ کیونکہ ایسا ''ماحول'' اسے بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی اتنے سالوں میں بھی وہ اس ماحول کا عادی نہیں بن سکا تھا۔ شاید وہ بننا ہی نہیں چاہتا تھا۔

جب وہ خود ایسے ماحول کو پسند نہیں کرتا تھا تو پھر دوسروں کے لئے کیسے پسند کر سکتا تھا ناجیہ کو بھی کبھی وہ ایسی پارٹیز میں نہیں لے کر گیا تھا۔

لیکن مناہل نے خود آج جانے کی فرمائش کی تھی۔ وہ اسے ٹوکتے ٹوکتے رک گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے اجازت دے دی تھی۔

ناجیہ آپی نے ایک دفعہ اسے بتایا تھا کہ داؤد سلمان اسے بزنس پارٹیز وغیرہ میں نہیں لے کر جاتے۔ اس وقت تو وہ داؤد سلمان کو حق بجانب ہی سمجھی تھی بزنس پارٹیز میں بھلا ہاؤس وائف کا کیا کام؟ لیکن اب اسے سمجھ آئی تھی کہ داؤد سلمان اپنا پول کھل جانے کے ڈر سے پہلے ناجیہ آپی کو اور اب اسے ایسی کسی بھی پارٹی میں نہیں لے کر جاتا تھا۔

داؤد سلمان نے یونہی سرسری سا تذکرہ کیا تھا کہ کرنل فاروق یوسفی کے گھر پارٹی ہے جس میں شہر کے مشہور معروف بزنس مین ود فیملی انوائیٹڈ ہیں۔ اچانک کسی خیال کے تحت مناہل نے اپنے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جس پہ پہلے تو وہ ٹھٹکا تھا۔ پھر مان ہی گیا۔

وہ جو یہاں آنے تک خود کو خاصا مطمئن خیال کر رہی تھی۔ اب اندر داخل ہوتے ہی بری طرح گھبرائی تھی۔ پورے لان کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا اور رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا جو امڈا پڑ رہا تھا۔ بے تحاشا ماڈرن لڑکے، لڑکیاں، مرد، عورتیں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مرد و زن کا امتیاز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وقفے وقفے سے ابھرتے نسوانی قہقہے ماحول کو مزید رنگین بنا رہے تھے۔

یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی دبو قسم کی لڑکی تھی یا اس

نے کبھی مخلوط پارٹی یا فنکشن اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی وہ اعتماد سے عاری لڑکی تھی۔ لیکن ایسا "لائیو پروگرام" اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اب وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے اس فنکشن میں شرکت کرنے کا سوچا تھا۔

"یہ میری مسز ہیں مناہل داؤد۔" وہ سامنے سے آتے کسی کپل سے اس کا تعارف کروا رہا تھا۔

"ارے...... واہ! آج تو کرشمہ ہی ہو گیا۔ مسز داؤد سلمان نے ہمارے گھر کو ہماری پارٹی کو رونق بخشی، ویری نائس ٹو میٹ یو۔" وہ تکلفاً اسے خود سے لگاتے ہوئے نہایت خوشگوار لہجے میں بولیں۔

"می ٹو۔" اب آ گئی تھی تو اخلاق بھی نبھانا تھا۔ یہ شاید کرنل فاروق یوسفی اور ان کی مسز تھیں۔

"ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا مسز! ہماری پارٹی سب سے ڈفرنٹ اور یونیک ہو گی۔" کرنل قہقہہ لگا کے بولے۔

"مان گئے آپ کو کرنل صاحب!" وہ بھی ان کے قہقہے میں شریک ہوئیں۔

اور پھر جس کسی نے بھی اسے دیکھا تھا۔ تعجب آمیز خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"بیوٹی فل...... بھئی یہ گوہر کیوں چھپا کے رکھا ہوا تھا داؤد سلمان!" نائٹ جینز پہ شارٹ سلیولیس شرٹ پہنے وہ جو کوئی بھی تھی۔ بڑے بے تکلف انداز میں داؤد سلمان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے مخاطب ہوئی تھی۔

"ایسی چیزوں کو چھپا کے ہی رکھنا چاہیے تا کہ نظر نہ لگ جائے۔" اس لڑکی کے عقب سے ہی کوئی مرد نکل کے آیا تھا اور اپنی پرشوق نگاہیں اس پہ جماتے ہوئے کہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں خود ہی ذرا شور ہنگامے سے گھبراتی ہوں۔" ناگواری کی ایک شدید لہر نے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ جسے بڑی مشکل سے دباتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں بولی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا داؤد سلمان اسے لے کر آگے ایک ٹیبل کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جہاں فیاض اور ثناء براجمان تھے۔

"شکر ہے کوئی تو اپنا نظر آیا۔" مناہل نے بے ساختہ تشکر بھری سانس خارج کی وہ دونوں بھی نہایت گرمجوشی سے ان سے ملے تھے۔ بعد میں فیاض اور داؤد سلمان تو اٹھ کر چلے گئے جب کہ وہ دونوں وہاں بیٹھی رہیں۔ ثناء نے ہی باقیوں سے اسے کا تعارف کروایا تھا۔

"داؤد سلمان واقعی لکی آدمی ہے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اس کی قسمت میں آئی ہے۔ پہلے ناجیہ اور اب مناہل، اس پہ تو لگتا ہے خوبصورتی ختم ہے۔" اس کی بیک سائیڈ والی ٹیبل سے یہ آواز ابھری تھی۔ ثناء نے تو شاید نہیں سنا تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ بیٹھی خاتون سے کوئی بحث کر رہی تھی۔ جب کہ اس نے کانوں تک یہ آواز بخوبی پہنچ گئی تھی۔

"یہ کوئی اتنے تعجب والی بات نہیں۔ داؤد سلمان تو مناہل سے بھی خوبصورت لڑکی ڈیزرو کرتا ہے خوش قسمت داؤد سلمان نہیں کہ اسے مناہل ملی ہے بلکہ خوش قسمت مناہل ہے کہ اسے داؤد سلمان جیسا شاندار شخص ملا۔" اب کی دفعہ کسی دوسری نے اظہار خیال تھا۔

"یہ اندازہ لگانا تو واقعی مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ خوش قسمت ہے۔" پہلے والی پھر بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے مناہل؟" ثناء نے اسے اچانک مخاطب کیا تو اس کا دھیان پیچھے سے ہٹ گیا۔

"کس بارے میں؟" اس کا دھیان اس

طرف ہوتا تو وہ ان کی بحث سن پاتی۔

''یہی کہ آرٹیفشل جیولری زیادہ سوٹ ایبل لگتی ہے یا گولڈ کی جیولری۔'' ثناء کے برابر بیٹھی نفیسہ نے کہا۔

''یہ تو اپنے اپنے ذوق پہ ڈیپنڈ کرتا ہے۔'' وہ چونکہ دونوں کے دلائل سن نہیں پائی تھی۔ اس لئے گول مول سا جواب دیا۔

''یہ ہوئی نا بات۔ تم نے تو جھگڑا ہی ختم کر دیا۔'' ثناء نے مسکرا کر کہا۔ تو نفیسہ بھی مسکرا دیں۔ نفیسہ بھی کسی ضروری کام سے اٹھ کے چلی گئی۔

مناہل نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تھا لیکن داؤد سلمان اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کی سیاہ چشمگی قیامت ہے
سو سرمہ فروش اس کو آہ بھر کے دیکھتے ہیں

اس نے ایک دم ٹھٹھک کے سامنے دیکھا۔ بلیک ٹو پیس میں ملبوس وہ شخص عین اس کے سامنے والی چیئر پہ بیٹھ چکا تھا۔ آنکھوں میں حرص و ہوس کا جہان آباد کیئے وہ خبیث اسے ہی گھور رہا تھا۔ اس کی حرکت پہ مناہل نے سخت نظروں سے ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا۔

یوں نہ مجھ کو نگاہوں کے ترازو میں تولو
ہے شوق تو بے ساختہ آنکھوں میں سمو لو
اب کے دل کو بھی لایا ہوں ہتھیلی پہ سجا کے
اس حسن کے بازار میں کیا دام ہیں بولو

''آپ کی تعریف......'' اس کے دوبارہ شعر پڑھنے پہ مناہل نے تیکھے چتون سے اسے گھورا۔ اس نے مروتاً بھی اخلاق دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تعریف تو اس خدا کی ہے جس نے ایسا زبردست شاہکار تخلیق کیا۔ مجھ ناچیز کی یہاں کیا تعریف۔'' ہاتھ میں پکڑا سیاہ مشروب کا گلاس اس نے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔ مناہل نے کچھ کہنے کی بجائے ناگواری سے منہ موڑ لیا۔

''حسن کی یہ ادا بھی بہت بھاتی ہے مس!'' وہ قہقہہ لگا کے بولا۔

''میں مس نہیں مسز داؤد سلمان ہوں۔'' اس نے ایک ایک لفظ کو چبا کے کہا۔

''اوہ...... تو یہ حسن کی دیوی مسٹر داؤد سلمان لے اڑا خیر کوئی بات نہیں سب چلتا ہے۔'' اس کی مبہم بات کی مناہل کو قطعاً سمجھ نہیں آئی تھی۔

''اینی وے میں خلدون یوسفی ہوں، ایک کامیاب ترین بزنس مین اور کرنل فاروق یوسفی کا بیٹا! میری ماما ویمن ایسوسی ایشن کی سربراہ ہیں تم نے نام بھی سنا ہوگا مسز نوشین یوسفی۔'' اس کے اتنے لمبے چوڑے تعارف کا مطلب وہ اخذ نہیں کر سکی تھی اور نہ ہی وہ ایسا کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے ایک مرتبہ پھر داؤد سلمان کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی اور اتنے زیادہ لوگوں کی بھیڑ میں وہ اسے ڈھونڈنے میں پھر ناکام رہی تھی۔

''داؤد سلمان کو اس وقت ڈھونڈنا بے کار ہی ہے کیونکہ وہ خود اس وقت ''بزی'' ہوگا۔'' اس کی خباثت زدہ ہنسی پہ وہ کھول کے رہ گئی۔

''جب داؤد سلمان تمہارا حق بے دریغ دوسروں پہ لٹا سکتا ہے تو تم ایسا کیوں نہیں کر سکتی ویسے بھی آج کل معاشرے میں یہ کوئی معیوب بات نہیں اور تم تو ویسے بھی داؤد سلمان کے لئے چلتا پھرتا چیک ہو جسے وہ جب چاہے کیش کروا سکتا ہے۔'' خلدون یوسفی نے نہایت آرام سے ٹیبل پہ دھرا اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں قید کیا اور چہرے کے قریب کرتے ہوئے مدہوش لہجے میں گویا ہوا۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' غم و غصے سے اس کی آواز کانپ گئی۔

"شکر کرو ابھی صرف ہاتھ پہ اکتفا کیا ہے ورنہ دل تو اتنا باغی ہو رہا ہے کہ......" وہ پتہ نہیں مزید کیا کہنے جا رہا تھا مناہل اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور بھاگنے کے سے انداز وہاں سے نکلی تھی۔

داؤد سلمان بالآخر اسے نظر آ گیا تھا۔ فیاض اور دوسرے چند دوستوں کے ہمراہ کھڑے ہوئے مناہل لپک کے اس کے پاس گئی تھی۔ اس کے بالکل قریب کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اس کا دایاں ہاتھ تھام لیا تھا۔ داؤد سلمان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس کا ہاتھ اتنا ٹھنڈا ہو رہا تھا کہ داؤد سلمان کو فوراً ہی تشویش نے آن گھیرا تھا۔ ویسے بھی ہوش و حواس میں تو وہ اس کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹکتی تھی کجا کہ اس کے اتنے قریب کھڑے ہونا۔

"گھر چلیں۔" وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ حد نہیں۔ یہاں کا تو ماحول ہی ایسا تھا کہ مرد و زن کی تمیز کرنا مشکل ہو رہی تھی۔ لیکن ایسا ایڈوانس ماحول اس کی پسند ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

"دس منٹ ٹھہر جاؤ مجھے ابھی ایک ضروری......"

"نہیں، میرا دل گھبرا رہا ہے ابھی چلیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کے ضدی لہجے میں بولی۔

"کیسے مزاج ہیں مسٹر داؤد سلمان!" خلدون یوسفی اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہیں آ گیا تھا۔ وہ مخاطب تو داؤد سلمان سے ہوا تھا مگر نگاہیں مناہل پہ گڑی ہوئی تھیں۔

"فائن۔" داؤد سلمان نے اس سے مصافحہ کیا۔

"او کے مجھے ذرا جلدی ہے۔" مناہل کی ضد کے پیش نظر وہ سب سے معذرت کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"یو آر مائی ڈریم پریٹی! اور اس خواب کو میں بہت جلد پورا کرنے والا ہوں۔" ان دونوں کو جاتا دیکھ کر خلدون یوسفی نے اپنی پرسوچ نگاہیں ان پہ جماتے ہوئے دل میں پختہ ارادہ کیا۔

موسم تبدیل ہو رہا تھا اور موسم کی مناسبت سے اس نے کچھ شاپنگ بھی کرنی تھی۔ داؤد سلمان اسے کافی مرتبہ کہہ چکا تھا کہ شاپنگ وغیرہ کر لے۔ لیکن وہ خود ہی سست سی ہو رہی تھی۔ آج خود ہی داؤد سلمان نے ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیج دیا تھا اور فون کر کے اسے تاکید بھی کی تھی۔ وہ اس کی لاپرواہ طبیعت کو جانتا تھا۔ اسی لئے خصوصی ہدایت کی تھی۔

ونڈو شاپنگ کا ارادہ ترک کر کے وہ بالآخر ایک بوتیک میں داخل ہو ہی گئی تھی۔ کچھ خریدنے کا اس کا کوئی ایسا خاص ارادہ تو نہیں تھا۔ لیکن کیمل کلر سوٹ جس پہ بلیک ایمبرائڈری کے ساتھ یونیک سا ڈیزائن بنایا گیا تھا اتنا پسند آیا کہ بے ساختہ ہی اس نے وہ سوٹ خرید لیا۔ اسی شاپ سے اس نے اپنے لئے کارڈیگن اور شال خریدی تھی۔

"ہیلو سویٹی!" وہ کاؤنٹر پہ پے منٹ کر رہی تھی۔ جب اس کے برابر کھڑے شخص نے بے تکلفی سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اس نے فوراً گردن گھمائی اور خلدون یوسفی کو دیکھ کر غصے کی ایک شدید لہر نے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔

"سوری۔" وہ یہاں کھڑی ہو کے کوئی تماشہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے غصے کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے ناگواری سے کہہ کر ہینڈ بیگ اور شاپنگ بیگ اٹھا کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"ارے اس نازک وجود پہ اتنا بوجھ کیوں

"یہ دیوانہ کس لئے ہے۔" وہ بھی فوراً اس کے پیچھے ہی لپکا تھا۔ مناہل اس کی بات پہ کان دھرے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھتی گئی۔

"اتنا غصہ کیوں دکھا رہی ہو سویٹی! ناچیز سے کیا خطا سرزد ہوگئی۔" وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔ اتنی جلدی سے پیچھا کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

"دیکھیں میں اس قسم کی اوچھی حرکتوں کو پسند نہیں کرتی۔" وہ ایک دم رکی اور رخ موڑ کر سخت لہجے میں بولی۔

"اور اس دل کا کیا کروں جو تمہیں پسند کر بیٹھا ہے۔" اس کے سخت لہجے کی پرواہ کیے بغیر وہ والہانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ میں "شادی شدہ" ہوں۔" وہ اپنے لفظوں پہ زور دے کر گویا ہوئی۔

"میں نے سمجھایا تھا دل کو لیکن وہ نہیں سمجھتا۔ اس کی بس ایک ہی رٹ ہے تم، تم اور صرف تم۔" اس کی عجیب جنونی سے لہجے پہ مناہل اندر ہی اندر خوفزدہ ہوگئی۔

ان سے چند قدم کے فاصلے پر ہی اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیور اسے دیکھتے ہی گاڑی سے باہر نکل آیا تھا اور اب مودب انداز میں بیک ڈور کھولے اس کا منتظر تھا۔

وہ برق رفتاری سے چلتی ہوئی گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی تھی۔

"جلدی چلو ڈرائیور۔" اندر بیٹھتے ہی اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

"کب تک بھاگو گی سویٹی! تم جتنا مجھ سے کتراتی ہو آتش شوق اتنا ہی بڑھتا ہے۔ اب تو تمہیں جلد حاصل کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔" اسے دوسری مرتبہ فرار ہوتے دیکھ کر خلدون یوسفی کے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا۔

"سر! کوئی خلدون یوسفی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" داؤد سلمان کی سیکرٹری نے اسے انٹرکام پہ اطلاع دی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"اوہ...... کرنل فاروق یوسفی کا بیٹا!" ایک دم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"ٹھیک ہے بھیج دو۔" اس نے کہا اور ریسیور واپس رکھ دیا۔

"اسے بھلا مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔ خلدون یوسفی سے اس کی دو تین بار صرف سرسری سی ملاقات ہوئی تھی کوئی باقاعدہ قسم کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"کیسے ہیں مسٹر داؤد سلمان!" خلدون یوسفی نے نہایت گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے تم سناؤ۔" اسے بیٹھنے کی آفر کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"فائن۔"

"آج ادھر کا راستہ کیسے بھول پڑے۔" انٹرکام پہ چائے کا آرڈر دیتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"بس ایسے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"میں نے سنا ہے کہ ہمدانی کمپنی میں تمہارے لئے جو ساٹھ پرسنٹ شیئرز تھے۔ ہمدانی اسے غبن کرنے کے چکروں میں ہے۔" پیون چائے رکھ کے چلا گیا تھا۔ خلدون یوسفی نے کپ اٹھایا اور اپنے مطلب کی طرف آنے لگا۔

"اس کا ارادہ تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے لیکن میں اسے اتنی آسانی سے یہ سب نہیں کرنے دوں گا۔" اسی بات نے تو پچھلے کئی دنوں سے اسے ٹینشن میں مبتلا رکھا تھا۔

"اگر تم چاہو تو میں اس ہمدانی کو تمہارے تلوے چاٹنے پہ مجبور کر سکتا ہوں۔ وہ نہ صرف تمہارے ففٹی پرسنٹ شیئرز دے گا بلکہ اپنے بھی فورٹی پرسنٹ دے دے گا۔"

''میں جانتا تو ہوں تم اپنا حق عدالت کے ذریعے بھی وصول کر سکتے ہو۔ لیکن انتظام تمہیں بھی ہے ایسے کیسز سالوں تک لٹک جاتے ہیں اور مخالف پارٹی اپنا حصہ تب تک بڑے آرام سے نکال لیتی ہے۔'' داؤد سلمان جانتا تھا وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ اسی وجہ سے تو وہ خود چاہ رہا تھا یہ معاملہ سیدھے طریقے سے نمٹ جائے اور اسے کوٹ کچہری میں خوار نہ ہی ہونا پڑے۔ انہی چکروں میں وہ گاؤں بھی نہیں جا سکا تھا۔ جب کہ اماں جان کا فون کتنی مرتبہ آچکا تھا۔

''میرے ساتھ بھی ایک مرتبہ اس ہمدانی کے بچے نے چالاکی کھیلنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ایسا سبق سکھایا کہ ابھی تک یاد کرتا ہے اسی لئے کہہ رہا ہوں تمہارا معاملہ بھی بائیں ہاتھ سے نمٹا سکتا ہوں اگر تم کہو تو......'' خلدون یوسفی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اس عنایت کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' وہ بھی ایک بزنس مین تھا۔ جانتا تھا ایک کاروباری ذہنیت رکھنے والا آدمی اگر دوسرے سے مصافحہ بھی کرتا ہے تو صرف اپنی غرض، اپنے مطلب کے لئے اور خلدون یوسفی جیسے گھاگ مردوں کی فطرت وہ بخوبی جان سکتا ہے آخر کو وہ کرنل فاروق یوسفی کا بیٹا تھا۔

''اس ''وجہ'' کا مدار ہی تو تم پر ہے داؤد سلمان! تم ایک میرا کام کر دو۔ میں تمہارا کام کروں گا۔ تم بھی خوش ہم بھی خوش۔'' وہ چیئر پیچھے دھکیل کر کھڑا ہوا اور داؤد سلمان کے بالکل قریب آ کے کھڑا ہو گیا۔

اپنے ماں، باپ کے عہدے کا جتنا فائدہ خلدون یوسفی نے اٹھایا تھا شاید ہی کسی نے اٹھایا ہو۔ جو آفر وہ داؤد سلمان کو کرنے جا رہا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ایسی ہی آفر وہ متعدد بار بہت سے لوگوں سے کر چکا تھا اور تب سے ہی اس نے جان لیا تھا۔ پیسہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہ انسان کی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے۔ اس کی خواہش اور طلب بھی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اسے اس کے علاوہ کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

''تم کم پر قناعت کرنے والے تو ہرگز نہیں ہو خلدون یوسفی! بہر حال کہو۔ اگر مجھے مناسب لگا تو ہرگز اعتراض نہیں کروں گا۔'' داؤد سلمان نے بھی ریوالونگ چیئر پیچھے دھکیلی اور اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

''خوب سمجھے ہو مجھے۔'' اس کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ برآمد ہوا۔

''خلدون یوسفی کو تمہاری مسز پسند آ گئی ہے داؤد سلمان! اور یہ تمہاری خوش قسمتی ہے ورنہ دنیا کا ٹکے سے ٹکے شخص بھی اس کی ایک رات کی قیمت کروڑوں روپے نہ لگائے تم تو......'' اس کی باقی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ داؤد سلمان کا ہاتھ پوری طاقت سے اس کے گال پر پڑا تھا۔

''اگر مزید ایک لفظ بھی تمہاری غلیظ زبان سے نکلا تو ساری عمر بولنے کو ترسو گے خلدون یوسفی!'' مارے طیش کے داؤد سلمان کا حال برا ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کھڑے کھڑے ہی خلدون یوسفی کو شوٹ کر ڈالے ایسا گھٹیا شخص جو اس کی عزت کی قیمت لگانا چاہ رہا تھا۔

ہوں گے کچھ ایسے بھی ہیچ صفت شخص جو بیویوں کو سیڑھی بنا کر ترقی کی منازل طے کر رہے تھے مگر داؤد سلمان بے غیرت نہیں تھا۔ جو اسے سمجھ کر یہاں آیا تھا۔

''یہ تھپڑ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا داؤد سلمان! پچھتاؤ گے تم اس وقت کو۔'' وہ بھی غصے سے تن فن کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

وہ گرنے کے سے انداز میں ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا تھا۔ اس کا پورا وجود ابھی تک شعلوں کی زد میں تھا۔ اس گھٹیا انسان نے یہ بات سوچی بھی تو

کیسے؟ اس کی اتنی ہمت ہوئی کیسے؟" خود کو نارمل کرنے میں اسے کافی وقت لگا تھا۔

اداس موسم کے رتجگوں میں
• ہر ایک لمحہ بکھر گیا ہے
ہر ایک رستہ بدل گیا ہے
• پھر ایسے موسم میں کون آئے
کوئی تو جائے تیرے نگر کی
مسافتوں کو سمیٹ لائے
تیری گلی میں ہماری سوچیں
بکھیر آئے
تجھے بتائے کہ کون کیسے
اچھالتا ہے وفا کے موتی
تمہاری جانب کوئی تو جائے
میری زباں میں تجھے بلائے
تجھے منائے
ہماری حالت تجھے بتائے
تجھے رلائے
تو اپنے دل کو بھی
چین آئے

وہ لوگ آج صبح ہی گاؤں پہنچے تھے۔ رات کو ہی بھابھی کا فون آیا تھا کہ اماں جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ ان دونوں کو یاد کر رہی ہیں اور یہ پہلا موقع تھا جب مناہل، داؤد سلمان کے ساتھ اس کے گاؤں آئی تھی۔ ورنہ اس کا جب بھی ارادہ بنتا تھا گاؤں جانے کا۔ وہ مناہل کو اس کے گھر چھوڑ آیا کرتا تھا۔

اور ایسا مناہل نے خود ہی کہا تھا۔ اسے جب داؤد سلمان سے لگاؤ نہیں تھے تو اس سے واسطہ لوگوں سے خوامخواہ محبت شو کرنی اور بلاوجہ ہی محبت اور لگاوٹ کا اظہار کرنا کتنا مشکل تھا۔ یہ وہ اس وقت بخوبی جان گئی تھی جب زرتاج بیگم ان کے گھر رہنے آئی تھیں۔ شروع شروع میں تو وہ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئی تھی۔ لیکن جب ہر وقت اسے "ہم بہت خوش ہیں" کا عملی نمونہ کرنا پڑتا تھا تو وہ اچھی خاصی بیزار ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ گاؤں آنے سے کترائی تھی۔ لیکن اس دفعہ بھابھی نے فون کر کے بتایا تھا کہ اماں جان کی طبیعت خراب ہے تو لازمی بات ہے اسے آنا پڑا۔

"ارے میں بالکل بھلی چنگی ہوں بس یونہی بی پی ذرا سا شوٹ کر گیا تھا تو بچے پریشان ہو گئے۔ میں نے کہا بھی تھا داؤد کو مت پریشان کرو وہ خود ہی ایک دو دنوں تک آنے والا ہو گا۔" زرتاج بیگم انہیں مطمئن کرنے کے لئے ہشاش بشاش انداز میں بولنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"میں پچھلے کئی دنوں سے سوچ رہا تھا آنے کا مگر اس دفعہ کاروباری مصروفیت اتنی زیادہ تھی کہ ٹائم نکل ہی نہیں پا رہا تھا۔ ایک پارٹی بہت تنگ کر رہی تھی۔ بس اسی ادھیڑ بن میں اتنے دن لگ گئے۔ میں نے پہلی فرصت میں یہیں آنے کا پروگرام بنایا تھا اور آپ کے بارے میں بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں اپنی صحت کا آپ بالکل خیال نہیں کرتیں۔" اپنے نہ آنے کی وجہ بتانے کے ساتھ ہی وہ خفگی بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"تین تین نگران ہیں میری صحت کے، بھلا ایسے میں میری صحت کو کیا ہو سکتا ہے۔" ان کے اشارے کا مفہوم سمجھ کے وہ مسکرا دیا۔

"مناہل بچی بہت خاموش ہیں، چاچو! کیا واقعی یہ اتنی ہی خاموش طبع ہیں یا صرف ایسا محسوس ہو رہا ہے۔" روحیل نے سنجیدہ بیٹھی مناہل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ مت بیٹے! ابھی یہ اتنا بولیں گی کہ تم سے سننا دشوار ہو جائے گا۔" داؤد سلمان مسکراتے ہوئے بولا۔ مناہل سمجھ نہیں سکی کہ اس نے طنز کیا ہے یا یونہی بات کی ہے۔

"خبردار! جو کسی نے میری بیٹی کو کچھ کہا تو۔ میں تو اسی بات پہ بہت خوش ہوں کہ میری بیٹی اس گھر میں تو آئی۔" زرتاج بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ تو طمانیت اور محبت کا ایک احساس مناہل کو اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔

"صحیح کہا اماں جان نے، مناہل کے آنے کی خوشی میں ثومی اور روحیل دونوں نے کالج سے چھٹی کر لی۔" بھابھی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا تو مناہل مسکرا دی۔

خلاف توقع وہ یہاں آ کے بہل گئی تھی۔ ہر کوئی اس پہ واری صدقے جاتا تھا۔ زرتاج بیگم تو اسے دیکھ کر نہال ہوتی تھیں۔ بھابھی اس کے اتنے نخرے اٹھاتی تھیں۔ روحیل اور ثومی ہر وقت اسے دلچسپ باتیں سنا کر ہنسانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے اور تو اور یہاں کے نوکر چاکر بھی اس کی بے تحاشا عزت کرنے کے ساتھ ساتھ بہت محبت بھی کرتے تھے۔ شریف تو ان کے ساتھ ہی یہاں آ گیا تھا۔

"قسم سے مناہل چچی! کالج یہاں سے اتنی دور ہے کہ ساری انرجی تو آنے جانے میں ضائع ہو جاتی ہے پڑھنا کیا خاک ہوتا ہے۔" ثومی ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ بیگ صوفے پہ اچھال کے وہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"روحیل نہیں آیا؟" عموماً وہ دونوں ایک ساتھ آتے تھے اس لئے اسے اکیلا دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

"آیا ہے اس کا کوئی دوست ہے اس لئے وہ سیدھا مردان خانے میں چلا گیا ہے رقیہ! پانی پلا دو۔" اسے جواب دینے کے ساتھ ہی وہ بلند آواز سے بولی۔

"تم یہاں سے شہر جانے کے لئے اتنی مشقت اٹھاتی ہو تو وہیں اپنے چاچو کے پاس رہ لیا کرو۔ وہیں کسی کالج میں مائیگریشن کروا لو۔ بلکہ تمہیں چاہیے تھا فرسٹ ایئر میں وہیں ایڈمیشن لیتی۔" اسے اچانک ہی ثمین کی بات یاد آ گئی تھی۔

"وہ حویلی والوں کو اپنے پاس رکھ کر راضی نہیں حالانکہ اس کا بھتیجا، بھتیجی اتنا اصرار کرتے ہیں کہ وہ پڑھائی کی خاطر اسلام آباد آنا چاہتے ہیں لیکن داور نہیں مانتا۔ آخر کو پول کھلنے کا خطرہ ہے۔"

"آپ کی بات اس لحاظ سے تو ٹھیک ہے کہ سفر کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ مجھے چاچو نے بھی بہت اصرار کیا تھا کہ میں اور روحیل وہیں ایڈمیشن لیں۔ وہاں معیار تعلیم بہتر ہے، بلکہ وہ تو وقتاً فوقتاً سب کو ہی کہتے رہتے ہیں کہ اسلام آباد ہی آ جاؤ، لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم یہ حویلی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو اس زمین سے بہت پیار ہے۔ ہم چاہیں بھی تو اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ ویسے بھی امی یہاں ہوتی ہیں اور اماں بیگم بھی بیمار رہتی ہیں۔ تو مجھے گھرداری میں امی کا ساتھ بھی نبھانا ہوتا ہے میں چاہتی تو اسی کالج کے ہاسٹل میں بھی رہ لیتی لیکن میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ ایک بیٹی اپنی ماں کا بہت بڑا سہارا ہوتی ہے اس لئے چاچو کی ناراضگی کے باوجود ہم نے یہیں ایڈمیشن لے لیا۔" وہ بڑی سادگی سے کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں کہیں بھی تکلف، ہچکچاہٹ اور جھوٹ کا شائبہ نہیں تھا۔

دوسری طرف مناہل کے ذہن میں زبردست دھماکہ ہوا تھا۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی بلکہ یقیناً نہیں بول رہی تھی کیونکہ اگر اسلام آباد میں رہ کر پڑھنے کا اسے اتنا شوق ہوتا تو پھر اس کی آفر پہ خوش ضرور ہوتی۔ لیکن اس نے تو نہایت آسانی سے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا تھا۔ تو پھر اس کا مطلب تھا کہ ثمین نے اس سے جھوٹ بولا تھا؟ لیکن ثمین نے جھوٹ کیوں بولا تھا؟ کیا

صرف یہی جھوٹ اس نے بولا تھا یا باقی بھی جھوٹ تھے؟ اس جھوٹ کی وجہ کیا تھی؟ کتنے ہی سوالیہ نشان تھے جو مناہل کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہے تھے۔ لیکن اس کے پاس ان کا جواب نہیں تھا۔

داؤد سلمان تو اگلے دن ہی اسلام آباد چلا گیا تھا جب کہ ان سب نے اصرار کر کے مناہل کو یہیں رکھ لیا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود بھی یہاں اچھا محسوس کر رہی تھی۔ گو کہ داؤد سلمان نے جاتے وقت خاصا احتجاج کیا تھا لیکن ان سب نے اس کی ایک نہ سنی۔

''دیکھ لینا۔ تم سب کا بدلہ میں اسی سے لوں گا۔'' اس نے جاتے جاتے دھمکی دی تھی۔

''جی نہیں۔ آپ ہماری چچی کا ہاتھ تو لگا کر دیکھیں۔'' ثومی فوراً اس کی حمایت میں بولی۔

''یہ ہاتھ لگانے دے تو کچھ دیکھوں۔'' اس کی بظاہر مذاق میں کی گئی بات جو مفہوم پنہاں تھا۔ وہ مناہل بخوبی سمجھ گئی تھی۔

''بس بس اب یہ چند دنوں کے لئے ہماری ہیں۔'' ثومی اس کی بات کا نوٹس لئے بغیر بولی۔ ان سب نے بالآخر اسے اکیلے بھیج کر ہی دم لیا تھا۔

''میری مانیں تو رقیہ کی شادی تک رک جائیں چچی جان! سچ میں بہت مزہ آئے گا۔ ہو سکتا ہے اس کی شادی حویلی میں ہی ہو۔'' ثومی کی بات پر وہ حیران ہو کر رقیہ کو دیکھنے لگی جو وہیں بیٹھی تھی۔

''تمہاری شادی ہے اور تم نے تذکرہ بھی نہیں کیا؟'' رقیہ جھینپ گئی۔

''میں کیا تذکرہ کرتی جی! ہم تو اس حویلی کے نوکر ہیں یہ تو آپ سب لوگوں کی محبت ہے جو ہمارا اتنا خیال رکھتے ہیں۔'' رقیہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات تھے۔

''تم کیوں ہونے لگی نوکر۔ ہر کوئی اپنا کماتا ہے اور کھاتا ہے۔ بس انسان اور مسلمان ہونے کے ناطے ہم کو ایک دوسرے سے صلہ رحمی تو کرنی چاہیے پتہ ہے چچی! چاچو نے تو اس سے کہا تھا شہر سے جو کچھ اپنی پسند کا منگوانا ہے بتا دو وہ لے آئیں گے یا پھر کسی کے ہاتھ بھیج دیں گے۔ یہ تو اتنی ڈفر ہے کہ کچھ بھی نہیں بولی وہ تو شکر ہے میں نے ہی دو چار چیزوں کے نام لے دیئے۔'' ثومی نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑے لوگ اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کے لئے ان مظلوم لڑکیوں کو ان کا کچھ نہ کچھ عوض دے ہی دیا کرتے ہیں۔ داؤد سلمان نے تو بہت چھوٹی سی آفر کی۔ کسی کا جتنا حق لیا ہو کم از کم اس کا خراج تو دینا چاہیے۔'' اک تلخ سوچ نے اس کا احاطہ کیا۔

''ثومی بیٹا! روحیل کو چائے تو دے آؤ۔ وہ انتظار کر رہا ہوگا۔'' بھابھی نے کچن سے ہی ثومی کو آواز دی۔ تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ جب کہ مناہل کے ذہن میں ثمین کے الفاظ گردش کرنے لگے۔

''وہ چوہدری ٹائپ بندہ ہے ہفتے دس دن بعد ایک چکر اپنی حویلی کا بھی لگا آتا ہے۔ وہاں بھی اس کی عیاشی کا ہر سامان مہیا ہے اور پھر وہ تو اپنا گاؤں ہے اپنی زمینیں ہیں۔ نئے سے نیا ماڈل دستیاب ہے وہاں۔''

''میں نہیں جانتی کس وجہ سے تم نے داؤد کی پیشکش ٹھکرا دی۔ لیکن میں تمہیں پورے خلوص سے کہہ رہی ہوں۔ میرے ساتھ شہر چلنا میں تمہیں تمہاری شادی کے لئے ہر چیز دلواؤں گی۔''

''آج تمہاری اصلیت سے بھی پردہ اٹھ ہی جائے داؤد سلمان! تو بہتر ہے کوئی تو ثبوت ہو میرے پاس۔'' اس نے جان بوجھ کر رقیہ سے ایسی بات کی تھی۔

اس کی کمزوری تھی تو پھر وہ ان آٹھ مہینوں میں اس سے کیسے محفوظ رہ گئی؟ حالانکہ وہ تو اس پر شرعی و قانونی حق رکھتا تھا اگر وہ اپنی بیوی کا اتنا خیال رکھتا تھا تو؟ اگر ان سب کا جواب نہیں میں تھا تو پھر وہ اپنی محدود عقل پہ سوچ پہ جتنا ماتم کرتی اتنا ہی کم تھا۔ وہ ایک تصور کے پیچھے بھاگتی رہی اور حقیقت کو جھٹلاتی رہی۔

آج اس نے خود ہی اپنے آپ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا تھا اور ہر جرم وہ اس کے بارے میں سوچتی ہے تو کیا پھر بھی اس کا رویہ مناہل کے ساتھ ویسا ہی ہوتا جیسا کہ اب ہے یقیناً نہیں۔

اسے سوچ کر ہی جھرجھری آنے لگی۔ ہر طرف اپنا ہی قصور نظر آرہا تھا۔ داؤد سلمان نے لاکھ اس سے کہا تھا۔ کہ اس کے ساتھ جو بھی مسئلہ ہے وہ بلا جھجک کہہ سکتی ہے۔ کاش کہ وہ اس وقت یہی سب کچھ کہہ دیتی۔ لیکن دل میں یوں بغض نہ رکھتی۔ تو شاید وہ صورتحال کو اس سے پہلے جان لیتی اور آج حالات ایسے نہ ہوتے۔

زرتاج بیگم تو نجانے کب کی اٹھ کر جا چکی تھیں۔ جب کہ وہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ آگے کیا کرے؟ داؤد سلمان کو کس طرح بتائے کہ وہ اس سے شرمندہ ہے اور کیا پتہ وہ طیش میں ہی آجائے اس نے ابھی تک صرف اس کا نرم رویہ دیکھا تھا شفیق، مہربان وہ اس کے سخت اور تند خو لہجے میں متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اسے ابھی خود کو سمجھانا تھا اور آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار کرنا تھا اور اپنے لئے آئندہ کا لائحہ عمل بھی سوچنا تھا اور ان آٹھ ماہ میں پہلی مرتبہ اتفاق ہوا تھا کہ وہ داؤد سلمان سے ملنے کے لئے بے چین ہوئی تھی۔

ناشتے کی ٹیبل پہ بیٹھتے ہوئے اس نے شریف سے کہا تھا کہ منائل کو بلا لائے۔ منائل کو کل رات ہی وہ گاؤں سے لے کر آیا تھا۔ پروین اور چوکیدار گاؤں گئے تھے اور چھٹی پر تھے۔ اس لئے ناشتہ ان کے لئے شریف نے تیار کیا تھا۔

''بی بی جان! صاحب جی ناشتے کے لئے بلا رہے ہیں۔'' صبح صبح اتنی ٹھنڈ میں وہ بالکونی میں کھڑی نجانے کیا سوچ رہی تھی۔ جب شریف نے آکر اسے اطلاع دی۔

آنے کو تو وہ رات سے آگئی تھی اور خود کو بڑا تیار کر کے لائی تھی۔ لیکن داؤد سلمان کو دیکھتے ہی اس کے ارادے کمزور پڑنے لگتے۔ اتنا عرصہ ان کے درمیان ایک خلیج سی حائل رہی تھی اور اب اسے ختم کرنے کا حوصلہ مناہل خود میں نہیں پا رہی تھی۔ رات بھی نجانے سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح بھی خلاف توقع وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ پہلی مرتبہ تیار ہوئی تھی صرف داؤد سلمان کے لئے۔ وارڈ روب سے چند دن پہلے کا خریدا گیا کیمل کلر کا ڈریس لٹک رہا تھا۔ اس نے وہی زیب تن کر لیا۔ کڑھائی سے میچ کر کے اس نے بلیک کلر کی لائیٹ سی جیولری پہنی اور ہلکا پھلکا سا میک اپ بھی کر لیا۔ آئینے نے اس کے بہت خوبصورت لگنے کی گواہی دی تھی۔ لیکن داؤد سلمان کا سامنا کرنے کی ہمت وہ ابھی بھی خود میں نہیں پا رہی تھی۔ شریف کی اطلاع پر وہ دھڑکنیں ترتیب دیتی ڈائننگ روم میں آگئی۔

داؤد سلمان نے بے ساختہ بہت حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ نک سک سے تیار ہوئی وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ بے ساختہ اس کا بھی جی چاہا آج آفس سے چھٹی کر لے اور سارا دن اسے سامنے بیٹھا کر دیکھتا رہے لیکن ایسا اختیار اسے دیا ہی کب گیا تھا۔

"ناشتہ تو ڈھنگ سے کرو۔" اسے خالی چائے کے سپ لیتے دیکھ کر داؤد سلمان نے ٹوکا۔ تو خلاف توقع وہ توس پر جیم لگا کے کھانے لگی۔

"شریف! میرا بریف کیس لے آؤ۔ بلکہ رہنے دو مجھے بیڈ روم سے ایک دو فائلز بھی لینی ہیں میں خود ہی لے آتا ہوں۔" ناشتہ کرنے کے بعد وہ شریف کو ہدایت دیتا رک گیا اور پھر خود ہی اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ مناہل نے اپنی ساری ہمت مجتمع کی اور اس کے پیچھے چلی گئی۔

"وہ...... آپ آج...... کب آئیں گے؟" وہ بیڈ کے دراز میں سے فائلز نکال رہا تھا جب وہ اس کے قریب کھڑی ہوتے ہوئے اٹک اٹک کر بولی۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ مناہل اور اس کے کمرے میں؟

"تمہیں کوئی کام ہے؟" اپنی حیرت چھپاتے ہوئے داؤد سلمان نے پوچھا۔

"ہوں...... میں نے سوچا تھا...... کہ آج...... ہم لانگ ڈرائیو پہ چلیں گے۔" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ کس طرح اسے بتائے کہ وہ بھی اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اپنے دل سے اس کے خلاف ساری کدورت دھو آئی ہے اب یہاں صرف محبت ہے۔ انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ بمشکل بولی۔

"کیا؟" داؤد سلمان کو ایسے لگا تھا جیسے اس کی سماعت نے دھوکا کھایا ہو۔

"تم...... تمہارا مطلب ہے کہ تم میرے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ جاؤ گی؟" اس نے اپنی خوش قسمتی کو کنفرم کروانا چاہا۔

"کیوں...... آپ نہیں لے کر جائیں گے۔" پلکیں اٹھا کر معصومیت سے دریافت کیا گیا تھا۔

"کیوں نہیں، مائی لائف! تم کہو تو ابھی چلیں۔" داؤد سلمان نے ہاتھ پکڑ کر اسے مزید قریب کیا اور خوشی سے سرشار لہجے میں بولا۔

"نن...... نہیں...... ابھی آپ آفس جائیں۔" اس کی قربت سے وہ بری طرح بوکھلائی تھی۔

"اوں...... ہوں، آفس تو اب ہم بالکل نہیں جا رہے۔" اس کا یہ روپ تو وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے مناہل؟"

"یہ باتیں بعد میں ہوں گی مگر پہلے آفس جائیں، آپ رات کو حویلی اس لیے نہیں رکے تھے کہ آفس میں ضروری میٹنگ ہے اس لیے اسے مس نہ کریں اور آفس جائیں۔ باقی حساب کتاب واپسی پر بھی ہو سکتے ہیں۔" وہ خالصتاً بیویوں کے سے انداز میں گویا ہوئی تو وہ قربان ہو ہو گیا۔

"اس طرح کہو گی تو کون کافر جائے گا۔" وہ شرارت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"آپ کا ٹائم ویسٹ ہو رہا ہے۔" اس نے وال کلاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی توجہ وقت پہ مبذول کروانی چاہی۔

"ٹائم تو تم ویسٹ کر رہی ہو۔" اس کا معنی خیز لہجہ اسے بلش کر گیا۔

"میں نہیں بول رہی آپ سے۔" اس سے پیچھے ہٹتے ہوئے وہ ناراض انداز میں گویا ہوئی۔

"او...... کے...... او...... کے تم ناراض مت ہو میں آفس جا رہا ہوں۔" اس نے جلد ہی مصالحت اختیار کر لی تھی اور اپنی فائلز اور بریف کیس اٹھانے لگا۔

مناہل اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی تھی۔ ان میں سے گزرتے ہوئے اس نے سرخ گلاب کی کلی توڑ کر داؤد سلمان کی طرف بڑھا دی۔ اس نے کلی ہاتھ سمیت پکڑ لی تھی۔

"میں کہیں یہ خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ ایسا نہ

ہو آنکھ کھلے اور سب کچھ ختم ہو جائے اور میں ہاتھ ملتا ہی رہ جاؤں۔'' داؤد سلمان ابھی بھی بے یقین تھا کہ مناہل کا رویہ اس سے تبدیل ہو چکا ہے مناہل جواب میں کہنا تو بہت کچھ چاہ رہی تھی۔ لیکن ابھی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس لئے تو وہ چاہ رہی تھی کہ تھوڑا سا وقت مزید مل جائے جو وہ اس لمبے چوڑے شخص سے باضابطہ معافی مانگ سکے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کر سکے۔ ابھی تو وہ اس کی قربت پہ اتنا بوکھلا جاتی تھی کہ اگلا جملہ ہی ذہن سے محو ہو جاتا تھا۔

''سنو میں آفس جا رہا ہوں لیکن صرف میٹنگ میں شرکت کے لئے اور ٹھیک گیارہ بجے میں واپس ادھر موجود ہوں گا تمہارے پاس۔''

اس کے چہرے پہ آئی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے وہ دھونس بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''لنچ کے بعد دوبارہ آفس جائیں گے۔'' لبوں کے گوشوں سے پھوٹتی مسکراہٹ کو بمشکل دباتے ہوئے وہ صاف چڑانے والی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ آفس ہے میری بیوی نہیں جو بھاگ بھاگ کے ادھر جاؤں۔'' وہ بھنا کے بولا تو مناہل اس کے انداز پر زور سے ہنس دی۔

''ٹھیک ہے جائیں اب، میں پورے گیارہ بجے آپ کا انتظار کروں گی۔''

''انتظار تو مجھے کرنا پڑے گا وقت کے گزرنے کا۔''

''اللہ حافظ۔'' اسے پھر پٹڑی سے اترتا دیکھ کر مناہل نے فوراً کہا۔

''گن گن کے بدلے لوں گا تم سے یاد کرو گی۔'' وہ اسے سخت دھمکاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تو مناہل اسے ہاتھ ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''شریف! تم ناشتہ کر لو میں برتن دھو چکی ہوں۔'' وہ کچن میں آئی تو شریف کو برتن دھوتے دیکھ کر کہا۔ اس نے لاکھ انکار کیا لیکن مناہل نے اسے ہٹا کر ہی دم لیا۔ برتن دھو کر سیٹ کرنے کے بعد اس نے فریج کا جائزہ لیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی۔ آج پہلی مرتبہ گھر کے کسی کام میں حصہ لیا تھا۔

''آج دوپہر کے لئے کیا پکایا جائے شریف!'' فریج کا ڈور بند کرتے ہوئے اس نے شریف سے رائے لینا چاہی۔

''جو آپ کا دل چاہے بی بی! جو شوق سے آپ کھاتی ہوں وہ بنا لیں۔'' شریف نے بڑا سیدھا سا جواب دیا تھا۔

وہ چاہ رہی تھی کہ داؤد سلمان کے آنے سے پہلے پہلے لنچ تیار کر لے اور زبردست قسم کی ڈشز بنائے۔ لیکن ... سامان غائب تھا کچن میں سے، پتہ نہیں واقعہ ... یا تھا یا پروین جاتے وقت اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ مناہل نے اکثر اوقات اسے کچن میں سے کھانے پینے کی اشیاء لے جاتے دیکھا تھا۔ لیکن اس نے کبھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ جو جیسا تھا وہ اسے ویسا ہی رہنے دیتی تھی۔

''شریف! مارکیٹ یہاں سے کتنی دور ہے؟ کچن کا آدھے سے زیادہ سامان ختم ہوا ہے اور پھر لنچ بھی بنانا ہے تو میرا خیال ہے پہلے مارکیٹ سے ضروری سودا سلف خرید لاتے ہیں۔''

''پروین لے گئی ہو گی جی! ایسی لالچی طبیعت اس کی ہے۔ ویسے مارکیٹ یہاں سے زیادہ دور نہیں پیدل جایا جا سکتا ہے۔'' وہ جو پروین کے ذکر پہ شریف کو ٹوکنے جا رہی تھی۔ فون کی گھنٹی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جو مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے لاؤنج میں آ کر فون ریسیو کیا دوسری طرف داؤد تھا۔

''آئی مس یو۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا تھا
مناہل مسکرا دی
''پاگل ہو گئے ہیں۔'' وہ جیسے اس کی
کیفیت سے حظ اٹھا رہی تھی۔
''ہوں۔'' اس نے بلا جھجک اعتراف کیا۔
''آپ کا ڈیلی کیشن نہیں آیا ابھی تک جو
فارغ بیٹھے ہوئے ہیں۔''
''بس آنے ہی والا ہے۔''
''میں شریف کے ساتھ ذرا قریبی مارکیٹ
تک جا رہی ہوں۔'' اس نے یاد آنے پر بتایا۔
''پیدل جاؤ گی۔ کتنی دفعہ کہا تھا تم سے
ڈرائیونگ سیکھ لو۔ میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں بلکہ
میں خود بھی بہت اچھا ڈرائیور ہوں۔'' آخر میں وہ
شوخ ہوا۔
''ڈرائیور کی ضرورت نہیں، میں نے یہیں
جانا ہے اور کچھ زیادہ شاپنگ نہیں کرنی بس کچن کا
ضروری سودا سلف ختم ہوا ہے وہی لینا ہے۔'' وہ
اس کا مطلب سمجھ کر مسکرا دی۔
''تو پھر شریف کو یہ بھیج دو۔''
''میں آج پہلی مرتبہ کوکنگ کرنے لگی ہوں
اتنے عرصے بعد لسٹ بناؤں گی تو آدھی چیزیں
پھر رہ جائیں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں ہم تھوڑی
دیر تک واپس آ جائیں گے اور اب فون بند کریں
مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔'' اسے خدا
حافظ کہنے کے بعد وہ کمرے میں آئی اور ہینڈ بیگ
چیک کرتے ہوئے واپس کچن میں آئی جہاں
شریف کھڑا تھا۔
''آ جاؤ شریف!'' اسے ہدایت دیتی وہ
باہر نکلی تو شریف بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔
''شریف! تم نے شادی کیوں نہیں کی ابھی
تک۔'' پچھلی مصالحہ ٹوکری میں رکھتے ہوئے اس
نے یونہی شریف سے پوچھ لیا۔
''ابھی میری عمر ہی کیا ہے جی!'' شریف
شادی کے تذکرے سے بری طرح شرما گیا۔
''ماشاءاللہ! دودھ کے دانت ٹوٹ گئے تمہارے یا
نہیں؟'' اس کے جواب کا لطف اٹھاتے ہوئے
اس نے مسکرا کر دریافت کیا۔
''اب میں اتنا بھی ''کاکا'' نہیں ہوں جی!''
وہ سینہ پھلا کر قدرے فخر سے بولا۔
''تم واقعی ''کاکا'' نہیں ''پٹاخہ'' ہو۔'' کاؤنٹر
پہ پہنچ کے اس نے پے منٹ کی۔
وہ اسٹور سے باہر نکل رہی تھی جب اس کا
اپنا ہی پاؤں کسی چیز سے اٹک کر زور سے مڑا۔
شاپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور وہ سی
کرتے ہوئے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ عین اسی وقت
اسے فائر کی آواز سنائی دی اور گولی زن سے اس
کے سر کے اوپر سے گزرتی چلی گئی۔ شریف نے
زور سے چیخ ماری اور اس کا بازو پکڑ کر زور سے
دائیں طرف گھسیٹا تھا۔ اسی وقت دوسرا فائر ہوا تھا
اور وہ بال بال بچی تھی۔ لیکن اس کے حواس بری
طرح معطل ہوئے تھے۔ شریف کی حالت بھی
کچھ ایسی ہی تھی۔ فائرنگ کی آواز سن کے اردگرد
کافی لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان کے گرد جمگھٹا بن
گیا تھا۔ شاپنگ بیگ ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔
''میڈم پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔''
''ان کی کسی سے دشمنی ہے؟''
''کہیں کسی لڑکے وڑکے کا تو چکر نہیں؟''
مختلف قسم کی آوازیں ابھری تھیں۔ مناہل کا دماغ
سائیں سائیں کر رہا تھا۔ آخری بات جو اس کے
کانوں میں پڑی کوئی پولیس کو بلانے کا کہہ رہا
تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

''سر! آپ کے کسی ملازم شریف کا فون
ہے کسی ایمرجنسی کا ذکر کر رہا ہے۔'' انٹر کام کے
دوسری طرف اس کی سیکرٹری کی آواز تھی۔ داؤد
سلمان کی چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کیا تھا۔

''کرواؤ بات۔'' اس نے دھڑکتے دل سے کہا۔
''ہیلو صاحب جی! میں شریف ہوں بیگم صاحبہ یہاں ہاسپٹل میں ہیں آپ فوراً آجائیں۔'' شریف کی گھبرائی ہوئی آواز پہ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔
''کس ہاسپٹل میں؟'' چیئر دھکیل کر وہ مضطرب انداز میں کھڑا ہو گیا۔ شریف سے ہاسپٹل کا نام پوچھ کر اس نے ریسیور نیچے پھینکا، کی رنگ اٹھائی اور سب سے معذرت کرتا ہوا برق رفتاری سے باہر نکل گیا۔
''میں انہیں دیکھا نہیں وہ کون لوگ تھے۔ انہوں نے بیگم صاحبہ پر دو مرتبہ گولی چلائی لیکن اللہ نے دونوں مرتبہ ہی بچالیا۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ بے ہوش ہو گئیں۔ کافی لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ میں انہیں ہاسپٹل لانے کے بعد فوراً آپ کو فون کر دیا۔'' شریف اسے تفصیل بتا رہا تھا۔ جب کہ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔
مناہل پہ قاتلانہ حملہ......؟
وہ کون وہ سکتا ہے......؟
اسی وقت اسے ڈاکٹر عبدالقیوم روم سے نکلتے نظر آئے تو وہ لپک کے ان کی طرف بڑھا۔
''ڈاکٹر صاحب! میری مسز......'' اس نے بے چین لہجے میں دریافت کیا۔
''ڈونٹ وری ینگ مین! انتہائی خوف اور دہشت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہیں میں نے میڈیسن لکھ دی ہیں پریشانی والی بات نہیں وہ جلد ہی ہوش میں آجائیں گی انشا اللہ۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے تو وہ بے قراری سے روم کی طرف بڑھ گیا۔
نرس اس کے بازو میں انجکشن لگا رہی تھی۔ مناہل کے ماتھے اور بازو اور دونوں پاؤں پر چوٹوں کے نشان تھے۔ دوائیوں کے زیر اثر وہ سو رہی تھی۔ داؤد سلمان نے نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔
''ابھی تو میں نے مناہل کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت دیکھی تھی۔ ابھی تو اس کی زبان نے محبت کے الفاظ بولنا سیکھے تھے۔ ابھی تو اس نے مجھ سے شرمانا سیکھا تھا۔ ابھی تو اس نے مجھے اپنا تسلیم کیا تھا۔'' وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''میں نے کہا بھی تھا مت جانے دو مجھے آفس۔ تم نے زبردستی بھیجا تھا مجھے مناہل! اب کیوں خود کو مجھ سے دور کر رہی ہو۔ اس لئے بھیجا تھا مجھے۔ میں تمہاری ایک لمحے کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتا جانتی ہو ناں۔'' ضبط کے باوجود اس کے چند آنسو پھسل ہی گئے تھے۔
''آپ ان کے ہزبینڈ ہیں؟'' روم میں موجود نرس نے اس کی بے تحاشا محبت محسوس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
''جی...... میں ان کا ہزبینڈ ہوں۔'' اسے اپنا لہجہ بھی نم ہی لگا تھا۔
''زیادہ پریشانی والی بات نہیں ہے مسٹر!'' نرس نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔
''ہیلو داؤد بیٹا!'' کوریڈور میں کرنل فاروق یوسفی اور ان کی مسز کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔
''ہیلو۔'' اس نے مصافحہ کیا۔
''مناہل کی طبیعت کیسی ہے؟'' ان کے سوال پہ داؤد نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا۔
''آپ کو کس نے بتایا؟''
''ادھر آؤ، ادھر بیٹھو۔'' نوشین یوسفی نے بینچ کی طرف اشارہ کیا تو وہ تینوں اس بینچ پر بیٹھ گئے۔
''دیکھو بیٹا! بعض اوقات انسان جذبات میں آکر بہت کچھ کر جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نادم

ہو تو ایسا شخص قابل معافی ہو سکتا ہے۔'' کرنل یوسفی کی مبہم بات پر اس نے الجھ کر انہیں دیکھا تھا۔

''میں سمجھا نہیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''دیکھو بیٹا! تحمل سے میری بات سنو تمہارے اور خلدون کے درمیان ایک مرتبہ تلخ کلامی ہوئی تھی کچھ عرصہ پہلے۔ لیکن خلدون نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا اس کا ردعمل اتنا شدید ہوگا کہ وہ انتہائی قدم اٹھا لے گا۔ ابھی بھی اس کے دوست نے مجھے فون کر کے مناہل کے بارے میں اطلاع دی ہے۔ ہم نے سن کے فوراً یہاں بھاگے آئے۔ خلدون کی طرف سے ہم تم سے معذرت کرتے ہیں۔''

کرنل یوسفی نے اپنے لہجے کو حتیٰ الامکان نرم اور میٹھا رکھنے کی کوشش کی تھی۔ داؤد سلمان کی کیا حیثیت ہے اور اس کے کتنے سورسز ہیں وہ بخوبی جانتے تھے اسی لئے معاملے کو سیدھے طریقے سے نمٹانا چاہتے تھے۔

''کیا؟ یہ حرکت خلدون کی ہے۔'' داؤد سلمان کا تو میٹر ہی گھوم گیا۔ وہ جتنے اشتعال سے چلایا تھا نوشین یوسفی کا تو دل دہل گیا۔

''بیٹا! ہم اس کو سخت سزا دیں گے اور ہم اس کی طرف سے معذرت کر رہے ہیں۔'' نوشین یوسفی نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''اگر مناہل کو کچھ ہو جاتا یا اب اگر اسے کچھ ہو گیا تو میری بات یاد رکھیں مسٹر اینڈ مسز یوسفی میں خلدون کو پاتال سے بھی کھینچ کر اس سے انتقام لے لوں گا۔'' غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ طیش سے بولا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ! تم تسلی رکھو۔'' کرنل یوسفی نے بمشکل اس کے اشتعال کو کم کیا تھا۔

جب تک مناہل کو ہوش نہیں آ گیا تھا وہ دونوں بھی اپنی مصروفیات ترک کر کے داؤد سلمان کے ہمراہ ہی رہے تھے۔

مناہل کو ہوش تو آ گیا تھا۔ لیکن اس کے سر میں شدید درد ہو رہی تھی اور اسی درد کی وجہ سے اسے ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ شام تک مناہل کے گھر والے پہنچ گئے تھے۔ گاؤں بھی فون کر دیا تھا وہ لوگ کافی دیر سے پہنچے تھے۔

مناہل گھر شفٹ ہو چکی تھی۔ وہ سب ہتھیلی کے چھالے کی طرح اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اتنی محبتیں پا کر مناہل کا دل بار بار بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجا رہا تھا۔

کرنل فاروق یوسفی اپنی مسز اور بیٹے کے ہمراہ مناہل کی عیادت کے لئے آئے تھے۔ داؤد سلمان تو اسے معاف کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا لیکن سب کے سمجھانے بجھانے اور خلدون کے معافی مانگنے پر وہ بمشکل آمادہ ہو گیا تھا۔

''داؤد بھائی! کل یکم جنوری ہے ناں۔'' مناہل کو دوا کھلانے کے بعد وہ سٹنگ روم میں آیا تو نوشابہ نے پوچھا۔

''ہاں کل یکم جنوری ہے سال کا پہلا دن۔''

''کل مناہل آپی کی برتھ ڈے ہے۔'' نوشابہ نے بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

''رئیلی۔''

''آپ کو نہیں پتہ۔'' اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔

''شاید ذہن سے نکل گیا۔'' اس نے فوراً بات بنائی۔

''کیا ہمیں کل کے دن کو سلیبریٹ نہیں کرنا چاہیے۔ سب جمع بھی ہیں۔ ایک چھوٹا سا فنکشن بھی ہو جائے گا۔ وہ کیا کہتے ہیں موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔'' نوشابہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو وہ بھی ایکسائٹڈ ہو گیا۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے کیا مناہل کو بھی اس کے متعلق آگاہ کرنا ہے۔'' اس نے تائید اً سر ہلاتے ہوئے کہا تو نوشابہ نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''داؤد بھائی! آپ بالکل ڈفر ہیں۔ صحیح کہتی تھیں مناہل آپی ان وڈیروں میں عقل واقعی نہیں ہوتی۔'' نوشابہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا تو وہ احتجاجاً چلا اٹھا۔

''اچھا...... اچھا...... زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے مناہل آپی کو سرپرائز دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ فوراً بولا۔

آج اس کی طبیعت کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔ سب نے اس کا خیال بھی بہت رکھا تھا۔ نوشابہ نے زبردستی اسے تیار کیا تھا۔ پنک کلر کی گھٹنوں سے اونچی شرٹ اور آف وہائٹ چوڑی دار پاجامہ، آف وہائٹ اور پنک ٹائی اینڈ ڈائی کا بڑا سا دوپٹہ کندھوں پہ پھیلائے وہ بالکل بچی ہی لگ رہی تھی۔

نوشابہ نے اسے میک اپ کرنے کے ساتھ ہم رنگ جیولری بھی پہنا دی تھی۔

''نوشابہ نے خوامخواہ مجھے اتنا تیار کر دیا گھر میں سب موجود ہیں اور میں یوں ہی سنوری اچھی لگتی ہوں۔'' آئینے میں تنقیدی نظر سے اپنا جائزہ لیتے ہوئے اس نے کہا۔

''نہ صرف اچھی لگتی ہیں بلکہ بہت اچھی لگتی ہیں۔'' نوشابہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''چلیں آئیں، نیچے چلیں، آپ کی ساس محترمہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھی اسی وقت داؤد سلمان اندر داخل ہوا تھا۔

''نوشابہ یہ خوبصورت سی لڑکی تمہارے ساتھ کون ہے۔'' اس نے شرارت سے نوشابہ سے دریافت کیا۔

''کیا...... اتنی جلدی بیوی کی شناخت بھول گئی۔'' مناہل نے آنکھیں نکالیں۔ تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

''میرا خیال ہے اب یہاں میرا کام نہیں۔ آپ کے شوہر نامدار ہی کافی ہیں۔''

''سمجھدار ہو۔'' داؤد سلمان مسکرایا تو وہ ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔

''آہم......'' وہ قریب آ کے کھنکھارا۔

''اچھی لگ رہی ہو بلکہ بہت اچھی۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا ناں مناہل! تو ساری عمر میں خود کو معاف نہیں کر سکتا۔'' اس کا انداز و لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم اور مہربان تھا۔ مناہل کو پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔ ایک دم اس کے سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

''ارے...... کیا ہوا......'' وہ بوکھلا گیا۔

''میں بہت بری ہوں ناں میں نے آپ کو بہت تنگ کیا ہے۔ ثمین کی باتوں میں آ کر خوامخواہ آپ پر شک کر رہی۔ میں بہت بری ہوں، مجھے معاف کر دیں۔'' وہ روتے ہوئے مسلسل کہہ رہی تھی۔

''پتہ نہیں یہ معافیاں مانگنے کا سیزن ہے۔ پہلے خلدون کو معاف کیا پھر ثمین کو اور اب تمہیں بھی۔'' وہ بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

''کیا؟'' مناہل ایک جھٹکے سے اس سے علیحدہ ہوئی۔

''ثمین آپ سے ملی تھی؟''

''ملی تو نہیں خیر۔ اس کا فون آیا تھا۔ البتہ چند دنوں تک وہ پاکستان آ رہی ہے۔'' اس کی بات نے مناہل کو خاصا حیران کیا تھا۔

''اس نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''ہاں، لیکن اب مجھے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ میری مناہل مجھے مل گئی ہے۔''اس نے اسے قریب کیا تو وہ ہمیشہ کی طرح نروس ہوگئی۔

''نیچے چلیں، اماں جان بلا رہی ہیں۔''اس نے کہا تو داؤد سلمان اسے گھورنے لگا۔

''بہت ظالم ہو تم۔''وہ ہنسنے لگی۔

داؤد سلمان اس کا ہاتھ تھام کے نیچے لایا۔ تو نوشابہ، ثومی اور روحیل نے ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی تھیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

پورا لاونج ان کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ خوشی کی شدت اتنی تھی کہ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

سب نے باری باری اسے گلے لگایا تھا۔

''چلو، اب کیک کاٹو۔''بھابھی نے نائف اس کے ہاتھ تھمایا۔ تالیوں کے شور میں اس نے کیک کاٹا۔ کیک کا پیس ہاتھ میں پکڑ کر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ سب نے منہ کھولے تھے کہ یہ پیس ان کے منہ میں جائے۔ مناہل نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے پیس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ہی منہ میں ڈال لیا۔

''یہ فاؤل ہے۔''وہ سب چلا اٹھے۔ مناہل ہنستی چلی گئی۔

''ہم نے اب گفٹ بھی نہیں دینے۔''ثومی نے انگوٹھا دکھایا۔

''ارے ناراض مت ہو، میں سب کو کھلاتی ہوں۔''

''گفٹ جو لینے ہیں۔''روحیل کے ترت جواب پہ محفل زعفران بن گئی۔

پھر اس نے کیک کاٹ کے سب کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔

''اللہ تمہیں سدا آباد رکھے۔''اماں جان نے اس کا ماتھا چوم کے دعا دی۔

''اماں جان وہ والی دعا نہیں دیتیں۔''

راحیل نے کہا تو سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''کون سی؟''زرتاج بیگم نے تعجب سے دریافت کیا۔

''پوتوں والی۔''وہ سر کھجاتے ہوئے بولا تو بے ساختہ ان سب کے قہقہے آزاد ہوگئے۔ مناہل بری طرح جھینپی تھی۔

''اللہ جلدی جلدی مجھے یہ دن دکھائیں۔''

وہ نہال لہجے میں بولیں۔

''آمین۔''وہ سب کورس میں بولے۔

سب سے بلند آواز داؤد سلمان کی ہی تھی۔ وہ فقط انہیں گھور کے رہ گئی۔

''اب جلدی سے میرے گفٹ نکالیں۔''

مناہل موضوع بدلنے کی خاطر بولی۔

''میرا گفٹ پرسنل ہے اندر اپنے روم میں جا کر دوں گا۔''اس کے پہلو میں کھڑے داؤد سلمان نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ سرخ پڑ گئی۔

''یہ کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں۔''نوشابہ نے مشکوک نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کچھ نہیں۔''وہ صاف مکر گیا۔

ان سب کے گفٹس کھولتے ہوئے اس کے چہرے پہ الوہی چمک تھی۔ اس نے محبت کو پا لیا تھا۔ یہ سالگرہ اس کی زندگی کی یادترین سالگرہ بن گئی تھی۔ روحیل اپنی بھونڈی آواز میں گا کم اور چلا زیادہ رہا تھا۔

جنگل میں منگل تیرے ہی دم سے
سب نے یہ شور مچایا ہے
سالگرہ کا دن آیا ہے، سالگرہ کا دن آیا ہے

اپنے شریک سفر کے کندھے پہ سر ٹکاتے ہوئے وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

☆☆☆